

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

محکم دلائل نشان دہی

صابر کاغذ نگری

قیمت : ساٹھ روپے

زیر اہتمام: گونج پبلیکیشنز ۲/۳۵-۱-۲۰۱۲، اعظم روڈ، نظام آباد-503001 (اے۔ پی.)

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

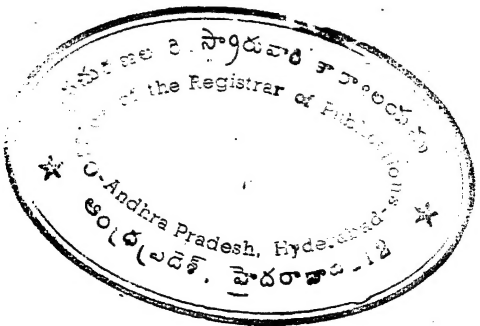
Ace. No.

- نام کتاب : 536
- نام مصنف : صابر کاغذ نگری
- سن اشاعت : جولائی ۱۹۹۴ء
- تعداد اشاعت : ایک ہزار
- سرورق : ضیاء الدین صابری
- خوشنویس : محمد یوسف رضا، 13-5-279/2/2
- طبعات : تعلیم عملہ پور، کاروان، حیدرآباد 500267
- ناشر : اعجاز پرنٹنگ پریس، چھتہ بازار، حیدرآباد
- قیمت : گونج پبلیکیشنز، نظام آباد
- کتاب ملنے کے پتے : ساحر روپے
- کتاب ملنے کے پتے : حامی بک ڈپو، مچلی کمان، حیدرآباد • ادارہ گونج
- 2/35-1-4، اعظم روڈ، نظام آباد، آندھرا پردیش 503001
- صابر کاغذ نگری 504296 - ایس پی ایم نیوکالونی، سرور کاغذ نگری 504296
- جناب نور الدین، بلڈنگ F - گراؤنڈ فلور، ہنجر نگر پیپ ہاؤس
- اندھیری (ایسٹ) ممبئی 400099
- ادیسبرا برقع ہاؤس، غفلت پورہ، کریم نگر، آندھرا پردیش
- جناب محسن جملگانوی، 725/1، ریلوے کالونی، ناتھ لالہ گوڑہ، سکندر آباد
- آندھرا پردیش، 500017

اظہارِ شکر

میں شکر گزار ہوں

جناب کے۔ ایم بھاٹیہ صاحب
ایگزیکٹو ڈائریکٹر سر پور پبلشر ملز کا
جن کی حوصلہ افزائی اور تعاون سے
اس کتاب کی اشاعت ممکن ہو سکی۔



انتساب !

اپنے معزز و محترم چچا جناب محمد بدرالدین صاحب
دکنٹر اکڑ کے تام ! جنہوں نے میری تربیت فرمائی
اور جن کی آرزو ہے کہ عین آسمانِ شعروادب پر
بدرِ کامل بن کے چمکیں —

طے کیا ہے درد کا لمبا سفر
لمحہ لمحہ زندگی کے واسطے

صائبہ کا غزنگری

”لمحہ زندگی“ پر ایک نظر

شاعری کا مطالعہ زندگی کو سمجھنے اور سمجھانے کا ایک ذریعہ بھی ہے، یہ نظریہ کوئی نیا نہیں، مشرق یا مغرب میں اس بات کو حتمی طور پر مانا گیا کہ شاعری میں ادراک اور تخیل کی مدد سے مسرت اور صداقت میں امتزاج پیدا کیا جاسکتا ہے، مشہور مفکر کارلائل کی نظر میں شاعری ”ترجمہ خیال“ کا دوسرا نام ہے اور شیلے اس کو ”جذبہ اظہار“ سمجھتا ہے۔ اسی طرح مختلف متفکرین ادب نے شاعری کو انسانی حیات کے لئے لازم گردانا ہے۔ اصنافِ ادب میں غزل کا مزاج، اس کا رنگ و آہنگ بڑی حد تک انسانی طبائع کو متاثر کرتا ہے۔ اس میں جمالیاتی قدیں اور موضوعات کی فراوانی بھی ملے گی ہماری صدی کے نصف اول سے انہی رجحانات کی عکاسی ہوتی رہی ہے اور آج بھی یہ منہاج و طریق قابلِ قبول اور پسندیدہ ہے۔

صابر کاغذ نگری ایک نوجوان شاعر ہیں جن کے ہاں فن و فکر کا توازن سے انسانی محسوس کیا جاسکتا ہے اور یہ ہمواری غزل کی آبیاری کے لئے ناگزیر ہے، فنی لحاظ سے شعر اور وزن کو لازم و ملزوم کہا گیا ہے۔ سر قلیپ سڈنی نے وزن کو شعر کا لباس اور زیور سے تعبیر کیا ہے۔ مولانا حالی نے بھی وزن شعر کی حمایت کی ہے۔ اس نظریہ کے متعلق کافی بحث و مباحثہ ہوا، اعتراف و انحراف کے قطع نظر شعری جن اور مضمون آخری

کے لئے اس کو احسن سمجھا گیا، خصوصیت سے غزل کے بانگین کا انحصار لفظیات کے استعمال، جذبات و احساسات کی ترئین کاری پر ہے، اس کے ساتھ ساتھ وزن شعری کی اپنی اہمیت ہے۔ اردو غزل میں صناعی اور حقیقت نگاری کی ”طرح“ عرصہ ہوا کچھ اس انداز سے ڈالی گئی کہ اس کا رنگ تغزل سادگی، نرمی، شیرینی، حلاوت اور سوز و گداز سے مربوط ہو گیا۔ بقول ڈاکٹر یوسف حسین خاں:

”غزل کے اشعار جس آہنگ، احساس اور آہنگِ سماعی کو ایک لطیف ربط کے ساتھ پیش کرتے ہیں وہ نہ کسی اور صنفِ سخن میں میسر آ سکتا ہے اور نہ کسی دوسری زبان میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔“

غزل کی انفرادیت و بانگین نے اپنے سفرِ حیات میں نہ جانے کتنے ہی مسائل اور کیفیات و موضوعات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں، انہیں اعجاز عطا کیا، اپنی ہمہ جہتی، روحانی و دوجونی سے متاثر کیا، اس کے اعادہ کی یہاں چنداں ضرورت نہیں ہے۔

سبھی جانتے ہیں کہ آج کا شاعر اپنے اطراف و اکناف پھیلے ہوئے لاتعداد واقعات کی ترجمانی کرنے کو اولین ترجیح دیتا ہے۔ اس کے ذہن رسا کی کش مکش جب صفحہ قرطاس پر ابھرتی ہے تو ہم بے ساختہ اس شاعر کی فکری تخلیقی صلاحیت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے اور شاید قدرا فرائی کی یہ رسم فنکار کے حوصلہ اور اس کی جولانی طبع کو جلا بخشتی ہے۔ اب اس امر کی کوئی تخصیص نہیں کہ شاعر کا مقام دمر کیا ہے، وہ کس مکتب خیال کا پابند ہے، ادھر پچھلے دودھوں سے دکن خصوصاً حیدرآباد اور اس کے قریبی اضلاع میں شعور و ادب کا ذوق و شوق روز افزوں

رہا ہے۔ کم و بیش سبھی ضلعوں میں ادبی انجمنیں اور اداروں کے زیرِ اہتمام شعروں کا انعقاد نہایت خوش آئند بات ہے۔ نئے نئے شعراء کو متعارف کروانے میں اس طرح کی ادبی نشستیں بڑی کارآمد ثابت ہوئیں اور ایک قابلِ لحاظ شعراء کی تعداد اپنے اپنے ”حسنِ کمال“ کے ساتھ سامنے آئی۔ یہاں البتہ ایک بات گوش گزار کرنا ضروری ہوگی کہ ہمارے بہت سارے شعراء محض غزل گوئی سے دلچسپی رکھتے ہیں جبکہ دیگر اصنافِ سخن سے نا شناسی کا رجحان عام ہے۔

صابر کاغذ نگری کا شمار بھی ایسے ہی غزل گو شاعروں میں کیا جاسکتا ہے جنہوں نے محض غزل گوئی کو اپنا مطمح نظر بنایا ہے۔ ”لمحہ زندگی“ عنوان کے تحت صابر نے زندگی کی تلخیوں، کردار ہٹوں، آلام و آفات ہی نہیں بلکہ خوشیوں، مسرتوں، امیدوں، آرزوؤں و تمناؤں کو بڑے سلیقے اور شائستگی سے پیش کیا ہے۔ انہوں نے موجودہ نظامِ حیات اور اس کے مسائل پر جب بھی گفتگو کی اس میں اعتدال و منضبط پیرائے کو استعمال کیا، ان کی ذہنی پیرا کاوش و آسودگی سے زیادہ فکر و تردد سے ہمکنار ہے۔ ان کے ہاں ایسے اشعار صاف پڑھ جاسکتے ہیں جن میں درد و کرب، احساسِ زیاں اور بے چارگی جھلکتی ہے۔ ذہانت اور شعوری طور پر ”شخص اور عکس“ سے زیادہ ”شخص اور شخصیت“ کی باتیں کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کا کلام قلمِ تخیلاتی و محاکاتی دنیا کی سیر نہیں کرتا بلکہ عصرِ حاضر کے جیتے جاگتے مسائل کی تفسیر کرتا ہے۔

”لمحہ زندگی“ کی غزلیں قاری کو چونکا دیتی ہیں۔ یہ دراصل شاعر کا کمال، اس کا مطالعہ اور اس کی استعداد ہے۔ اس مرحلہ پر صابر کا لب و لہجہ منفرد نظر آتا ہے۔ ان کے اسلوب کی شناخت کی توثیق ذیل کے اشعار سے کی جاسکتی

میں اس کی تسکین تلاش کرتے ہیں۔ اس شعری انتخاب میں چند ایک اشعار ایسے بھی نظر آئے جن کا راست تعلق صابر کے اس رشتہ محبت و مؤدت سے ہے جسے ہم روح کی آواز سے تعبیر کر سکتے ہیں، دو ایک شعر دیکھئے۔

درجے ہوئے بلند، مقدّر سنور گیا
 جس وقت با اثر میری ماں کی دعا ہوئی
 تم اپنی ذات میں اک انقلاب پاؤ گے
 طوافِ کعبہ اگر ایک بار کر دیکھو
 یہ دن تجھے نہ رات کے دریا میں ڈال دے
 اب تو اٹھا لے ہاتھ مناجات کے لئے

دیے بھی ”لمحہ زندگی“ کے ابتدائی صفحات میں حمد اور نعت کے اندراج سے صابر نے اپنے جذباتِ دلی کا اظہار کیا ہے

عبارت مختصر، صابر کا غزلی کے اس شعری انتخاب کے مطالعہ سے اس بات کی بجائے طور پر امید کی جاسکتی ہے کہ وہ مستقبل میں اس سے بھی بہتر اور خوبصورت انتخاب پیش کر سکیں گے کیونکہ ان کی فطری صلاحیت، اور استعداد کے جوہر ابھی اور کھلنے ہیں اور مشق و مزادات نیز کلاسیکی اقدار و آیات سے اکتساب کو ان کی شاعری کا محور بھی بننا ہے۔

لحظہ لٹکی ہے، لحظہ لحظہ بھاری ہے
 زندگی تماشہ ہے، آدمی مداری ہے
 گر رہتے تو اس کا ہر اک لاز کھولتے
 لیکن زباں کو دل سے اجازت نہ مل سکی
 کوئی تو بات کر دے بخشش مٹانے کی
 بہت ہی گرم ہے یار دہوا زمانے کی
 آدمیت تو کہیں ملتے نہیں

نام کا بس آدمی ہے آج کل
 ہر ایک نے خم ہے آئینہ اپنے ماضی کا
 تو کیوں یہ عکس مٹانے کی بھول کر رہے
 مسرت کہاں آج کی زندگی میں
 بہانے کو آسنو بہانے بہت ہیں
 اور دل کی نظر سے کبھی خود کو بھی پرکھنا
 شیشے میں کبھی عیب دکھائی نہیں دیتے
 میں نے کیا ہے عشق کوئی جرم تو نہیں
 سر پہ اٹھاتے پھرتے ہو کیوں سارا آسمان
 فرصت سے تم ملو تو غم دل ستائیں ہم
 اب یوں کر دہ نہ ہم سے ملاقات سرسری

صابر کی جذباتی کیفیت کبھی کبھی شدت اختیار کر جاتی ہے اور وہ روایت نگاری

میں اس کی تسکین تلاش کرتے ہیں۔ اس شعری انتخاب میں چند ایک اشعار ایسے بھی نظر آئے جن کا راست تعلق صابر کے اس رشتہ محبت و مؤدت سے ہے جسے ہم روح کی آواز سے تعبیر کر سکتے ہیں، دو ایک شعر دیکھئے :

درجے ہوئے بلند، مقدر سنور گیا
 جس وقت با اثر میری مال کی دعا ہوئی
 تم اپنی ذات میں اک انقلاب پاؤ گے
 طوافِ کعبہ اگر ایک بار کر دیکھو
 یہ دن تجھے نہ رات کے دریا میں ڈال دے
 اب تو اٹھ اے ہاتھ مناجات کے لئے

دیے بھی ”لمحہ زندگی“ کے ابتدائی صفحات میں حمد اور نعت کے اندراج سے صابر نے اپنے جذباتِ دلی کا اظہار کیا ہے

عبارت مختصر، صابر کا غزنگری کے اس شعری انتخاب کے مطالعہ سے اس بات کی بجا طور پر امید کی جاسکتی ہے کہ وہ مستقبل میں اس سے بھی بہتر اور خوبصورت انتخاب پیش کر سکیں گے کیونکہ ان کی فطری صلاحیت اور استعداد کے جوہر ابھی اور کھلنے ہیں اور مشق و مزادات نیز کلاسیکی اقدار و روایات سے اکتساب کو ان کی شاعری کا محور بھی بننا ہے۔

تاہم ”الحجۃ لہ زندگی“ کی اشاعت پر ان کی ہمت و حوصلہ کی داد دیتا
ہوں کیونکہ بقول صابر کاغذ نگری ہے

زندگی کو عجب نہیں لکھا
میں نے کچھ بے سبب نہیں لکھا

عقیدہ شمس
۱۹۶۶ء

عقیدہ شمس

چیرمین بورڈ آف اسٹڈیز
شعبہ اردو، جامعہ عثمانیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ خیر

”لمحہ لمحہ زندگی“ صابر کا غزلی نغمہ کی کا پہلا شعری مجموعہ ہے جس میں ان کی عرف غزلیں ہی شامل ہیں۔ ہر چند کہ صابر نے حمد، نعت، نظم، قطعات اور دیگر مناسبات سخن میں طبع آزمائی کی ہے لیکن ان کا اپنا بیان ہے کہ غزل کی صنف ان کے کو لگتی ہے۔ آج غزل اپنے روایتی مفہوم کی حدود سے نکل کر اس قدر وسعت اختیار کر چکی ہے کہ اس نے ذات سے لے کر کائنات تک کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ مابری شاعری کی مختلف پرتیں ہیں اور ان کی غزل کی مختلف جہتیں، ان میں سے ایک بہت تو وہ ہے جس میں ان کی جمالیاتی حس کی فراوانی ہے۔ احساس کی اس رو سے ناممکن نہیں۔ عام فرد کی طرح ایک تخلیق کار بھی سماج کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ اس کا بوب بھی چلتا پھرتا گوشت کا پیکر ہے جس کے دل کی دھڑکنیں تخلیق کار کے جذبات احساسات کو براہِ یکسو کرتی ہیں۔ اپنے محبوب کے ساتھ گزرے قربت کے لمحے، میل کی ساعتیں، سحر کی راتیں، دوریاں، تنہائیاں، جدائی، مجبوری، محرومی اور شکست ریخت تخلیق کار کے احساس کو ہمیز عطا کرتے ہیں۔ عام فرد کا المیہ یہ ہے کہ وہ اپنے احساس کی ترسیل کے فعل میں مجبوری کا شکار ہوتا ہے، لیکن تخلیق کار اس فعل کا خود مختار ہوتا ہے کہ وہ اپنے احساسات کو تخلیق کی صورت دیکر جذلوں کی ترسیل

کرتا ہے۔ حسن اور عشق ماورائی شے نہیں، دونوں ہی لازم و ملزوم ہیں۔ ان کی سرشت سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جمالیاتی حسن کی پرکاری جب کھلتی ہے تو وجدان و کیف کے چشمے اُبلتے ہیں۔ صابر کی غزل کا بیشتر حصہ کلاسیکی دکشن سے مزین ہے، انہوں نے وسیع پیمانے پر زمین غزل کی آبیاری کی ہے لیکن ان کا اسلوب شاعری مکمل طور پر خالص روایتی ہے نہ سکہ بند، غیر روایتی غزل میں ان کی اپنی قلبی وارداتیں اور غم جاناں کا اظہار ان کے جمالیاتی ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے۔

صابر کا غزلی نگری کا نام ان کے خوبصورت ترنم اور مترنم شاعری کی وجہ سے اُردو کے دور دراز کے علاقوں میں مقبول رہا ہے۔ لیکن ان کی شاعری کی ترنم ریزی ہی ان کا سب کچھ اناثر نہیں۔ ان کی شاعری کا وصف ان کے زبان و بیان کی سادگی اور عام فہمی میں ہے انہوں نے وضاحت و صراحت کے اسلوب میں اپنی بات قاری تک پہنچانے کے ہنرمیں دسترس حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب جب غم جاناں کی گفتگو ان کے یہاں پھڑی اور حسن و عشق کی حکایتوں کا بیان ہوا ان کے ذہن کی قوسِ قزح نے فضاء اور ماحول کو شفق رنگ بنا دیا۔

پیسکر ہے کہ پانی میں نہساتا ہوا سوج
چہرہ ہے کہ کھلتا ہوا اک پھول کنول کا

~~~~~

خوشبو کی طرح آؤں گا پھونے تر ابدن  
چہرے پہ ترے رنگِ شفق چھوڑ جاؤں گا

~~~~~

یہ کیا کمال ہے ترے حسن و جمال کا
جو رنگ تو پہن لے وہ گہرا دکھائی دے

رات بھر وہ رہا ہے آنکھوں میں
صبح ہوتے ہی گھبرا گیا کوئی

پہلے تو اس سے اپنا تعلق بنا لیتے
خط اسکا لیکے چھت پہ کبوتر بھی آئے گا

خیام کی رباعی کہ غالب کی اک غزل
وہ تھا شرابِ شعر و سخن سے دھلا ہوا

صابر اس شخص سے لوگوں کا تعلق یوں تھا
اس کی بات آئی تو آنکھوں سے سمندر نکلے

ہر جید کہ انہوں نے اپنے اظہار کے ذریعہ حسن و عشق، جانِ جاناں کی حکایات
کی عکاسی کی لیکن ان کے یہاں غمِ جاناں کے ساتھ ساتھ غمِ دوراں کا عکس بھی
زندگی کے درد و کرب اور عصری مسائل کے تجزیہ سے عبارت رہا ہے۔ یوں نہیں کہ
انہوں نے نئے الفاظ، نئی تراکیب، استعاروں اور علامتوں سے آنکھیں بند کر لی
ہوں، بلکہ ان کے نئے لہجہ کے اظہار میں عصری حیثیت اور عام فرد کی زندگی کے
مسائل و موضوعات کا اہتمام بھی ہے۔ مجھے صابر کے طرزِ احساس کے ان مقامات
نے زیادہ متاثر کیا جہاں انہوں نے اظہار کو نئے استعاروں اور علامتوں کے
ساتھ نیازنگ و روپ دینے کی ماسخی جمیلہ کی ہے۔ میرا احساس ہے کہ طرزِ اظہار

کی یہ چنگاری ابھی ابھی ان کے خاشاک میں در آئی ہے، اسے ابھی آگ بننا ہے،
 جیسے جیسے اسے ہوا لگے گی وہ شعلہ بھی بنے گی۔ اسلوب و اظہار کے امکانات کا
 یہ پیر تو جن میں تے لفظ، نئی تراکیب، نئی علامتوں سے استفادہ کا عمل کھل کر
 آیا ہے ان کے درج ذیل اشعار میں واضح طور پر دیکھنے کو ملتا ہے:

پودا لگانے ڈرتے ہیں یہ سوچ کر ہی لوگ
 آنکھ میں پیڑ ہوگا تو پتھر بھی آتے گا

~*~

اس سے رشتہ ہے مرا، اس کی دلالت یہ ہے
 مرے آنکھ میں اٹھی ہی نہیں دیوار ابھی

~*~

میں اپنے گھر کے اندھیرے سے خوف کیا کھاتا
 آجا لاسلے والے مکان میں بھی نہ تھا

~*~

بلوہ، فساد، خون، تشدد کی دوڑ میں
 لمحوں میں کالی صبح کے اخبار یک گئے

~*~

جائیں یا زار تو پھر لوٹ کے آئیں کیسے
 آج کل شہر کے حالات سے ڈر لگتا ہے

~*~

شاعر نے جس عہد میں اپنی شاعری کی ابتدا کی اس عہد میں

ترقی پسند شاعری کی رُو چل رہی تھی، اس شاعری تے پوری تسل کو متحرک اور متاثر کیا تھا۔ اس لئے ان کی شاعری میں زندگی کے مسائل، سماجی و اخلاقی انحطاط کے خلاف احتجاج، تغیرات و انقلاباتِ دہر کے اثرات، سیاسی ہنگامہ خیزیاں، معاشرتی پستی، سماجی اور انسانی تفکرات و طرزِ زندگی کے قضیہ جات، متغیر اقدار کے پر تو ایسے موضوعات کہیں واضح اور کہیں غیر واضح انداز میں ملتے ہیں۔ وہ ایک حساس ذہن اور درد مند دل رکھتے ہیں اسی لئے نفسیاتی مسائل پر ان کی نگاہ گہری ہے۔ رشتوں کی کج روی انہیں کھلتی ہے۔ تعلقات کی بے وفائیاں انہیں دکھ پہنچاتی ہیں۔ ان کی شاعری میں اچھائی بُرائی، نیکی، بدی، اجالے، اندھیرے ایسے مسائل جگہ پاتے ہیں اور ان کی شاعری کا موضوع بنتے ہیں۔ ان کی سرشت نے انہیں حد درجہ حساس بنا دیا ہے جو ان کی ذہنی فکر کے وجود کا حصہ بن گیا ہے، اسی وجہ سے ان کے اظہار میں طنز و تشبیہ کی موجودگی کی غمازی ان کے لہجے سے ہوتی ہے۔ لیکن طنز کا یہ لہجہ مشعل کرنے والا نہیں بلکہ علالت والا ہے:

بزمِ وقت کا لشکر ہے کیا کیا جائے
اک سیلا سبطِ پیمبر ہے کیا کیا جائے

❦❦❦

صدِ اقوتوں سے عبتِ انحراف مت کرنا
کہ میرے بھائی گو میرے خلاف مت کرنا

❦❦❦

صابر چلے تھے ہم بھی وفا کو تلاشنے
لیکن کہیں سہیں یہ روایت نہ مل سکی

❦❦❦

ہمارے لفظ تھے خجندہ مگر تم اپنی کہو
کہ حرفِ شہد تمہارے بیان میں بھی نہ تھا

۞۞۞

کیا عجیب تھے لوگ جو کرتے رہے
دوستی بھی دشمنی کے واسطے

۞۞۞

ایک اہم بات یہ ہے کہ ادبی مراکز سے دور کاغذ نگار ایسے صنعتی مقام پر صابر
کاغذ نگری اپنی ادبی شناخت بنانے میں مصروف ہیں۔ ان کی شاعری کی عمر بہت زیادہ
نہیں۔ گو کہ اس شعری تصنیف میں پیش کردہ ان کی شاعری بہت زیادہ مربوط و مستقل
نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ان کے کلام میں یہاں وہاں کچھ فنی کھانچے بھی ہوں، لیکن
تساحات تو ان شاعروں کے یہاں بھی کثرت سے مل جاتے ہیں جن کے کئی شعری مجموعے
منظر عام پر آچکے ہیں اور جنہیں خود ساختہ معتبری کا دعویٰ بھی ہے۔ صابر کو ایسا کوئی زعم
ہے نہ دعویٰ۔ نہ انہوں نے کسی سے تلمذ حاصل کیا نہ دریدر کی ٹھوکریں کھائیں۔
اپنی خود روی کا جو پورا انہوں نے لگایا ہے اسے پیڑ بناتے کے لئے مسلسل
آبیاری کی ضرورت ہے۔ خوشی اس بات کی ہے کہ اس شعری مجموعہ میں جو کچھ بھی
اثاثہ تہمازت ہے ان کا اپنا ہے مانگے کا اُجالا نہیں۔

_____ محسنِ جلا گانوی

حرفِ چند

میں نے ۴ فروری ۱۹۵۳ء کو ضلع کریم نگر کے ایک چھوٹے سے قریہ امبال پور میں ایک متوسط گھرانے میں ڈاکٹر تاج الدین صاحب کے گھر میں اپنی آنکھیں کھولیں۔ میری ابتدائی تعلیم گھر پر اور پرائمری سے انٹر میڈیٹ تک کی تعلیم اپنے چچا محترم بدر الدین صاحب کنٹرکٹر (سرپور کاغذ نگر) کے زیر نگرانی گورنمنٹ جونیئر کالج کاغذ نگر میں ہوئی۔ انہی کی شفقتوں نے میری علمی و ذہنی تربیتوں کو اُجالنے میں مدد کی اور عیسے کا حوصلہ عطا کیا۔ میرا نام چونکہ محمد منجب الدین صابر ہے اسی مناسبت سے عرفیت صابر کو تخلص اختیار کر لیا، ادبی دنیا میں صابر کاغذ نگر کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہوں۔

میری شعر گوئی کا سفر دیسے تو زمانہ طالب علمی سے شروع ہو چکا تھا لیکن ۱۹۴۲ء سے باقاعدہ شاعر بنے پڑھنے لگا ہوں۔ ملک کے متعدد نامور شاعروں کے ساتھ ریاستی اور کل ہند سطح کے شاعروں میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے۔ میرا کلام مختلف ادبی دہیم ادبی جرائد میں مسلسل شائع ہوتا رہتا ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی نشر ہوتا رہا ہے۔ پچھلے سولہ برس سے سرپور پیپر ملز کاغذ نگر کے سنٹرلیب ڈپارٹمنٹ میں سینئر لیب اسسٹنٹ کی خدمت پر مامور ہوں۔ پچھلے ایک دہے سے مقامی فعال

ادبی تنظیم ”نرم اردو ادب کا غدنگر“ کے جنرل سکریٹری کے ساتھ ساتھ انجمن ترقی اردو شاخ کا غدنگر کی معتمدی کے فرائض بھی انجام دے رہا ہوں۔

میری دانست میں شاعری محض الفاظ برتنے کا فن نہیں بلکہ جذبات و احساسات کے اظہار کا نام شاعری ہے۔ شعر زندگی سے عبارت ہوتا ہے۔ جب زندگی کا ایک مقصد ہے تو پھر بے مقصد اور بے راہ شاعری کوئی معنی نہیں رکھتی۔ مجھ سے جہاں زندگی کے نشیب و فراز کی بدلتی قدروں نے شعر کہلوائے، رشتوں، ناظلوں کے تغیرات کی تلخیاں اور تجربے بھی میرے اظہار میں آئے۔ ان کے علاوہ معاشرہ میں اخلاقی گراؤ، قدم قدم پر نا انصافیاں، محرومیاں، آلام و مصائب، ذہنی اذیتیں، نسلی منافرت، ایسی حلقہ شاعر، فرقہ پرست ذہنیت کی شور و شیں، رشوت ستانی، غنڈہ گردی، ظلم و ستم اور راست بازی کے خلاف سازشیں، ایسے ناسوروں نے پورے سماج میں کینسر کی طرح اپنی جگہ بنالی ہے، یہ زندگی کے مسائل ہیں۔ اسی دائرے میں اخلاق کی اصلاح، معاشرے کی تعمیر، انسانی دردمندی، بھائی چارگی، اخوت و محبت کی ترویج کے لئے آواز اٹھانا بھی شاعری کا مقصد ہے۔ میں فرزند آدم کو انسانیت کی معراج پر دیکھنے کا متمنی ہوں کیوں کہ سماج میں جو بگاڑ آیا ہے اس کی بنیادی وجہ اخلاقی پستی کے سوا کچھ نہیں۔ عملی زندگی میں اخلاقیات اور اعلیٰ قدروں کا فقدان آگیا ہے۔ میں نے اپنی شاعری میں بساط بھرپور کی ہے کہ کوئی تعمیری پیام فرد عام تک پہنچا سکوں۔ میری شاعری، میرے شخصی جذبات کا اظہار ہے۔ میرا یقان ہے کہ سچائی اور اعلیٰ قدروں کی ہمیشہ جیت ہوتی ہے، میری راست بازی اور حق گوئی نے بعض خود ساختہ انا پرستوں کے بنوں کو یہ کہنے پر مجبور کیا

ہے کہ: تجھ سے ملنے پہ سبھی عیاں ہوتے ہیں

آئینے تیری ملاقات سے ڈر لگتا ہے

میں نے نظم، حمد، نعت، قطعات اور دیگر اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن غزل کی صنف میرے جی کو لگتی ہے۔ اسی لئے اس تصنیف میں میں نے صرف غزل کو پیش کرنے کی جرات کی ہے۔ شعری سفر میں میں نے کسی کے سامنے زانوائے ادب تہہ نہیں کیا ہے بلکہ میری اپنی صلاحیتیں، ابرج، لگن مری رہنمائی ہے۔ ایک مختصر عرصہ کے لئے جب محترم فضل اللہ قریشی صاحب (آرمور) کا غذا نگر میں مقیم تھے میری شعری و ذہنی رہنمائی کا سبب رہے۔ ان کے علاوہ شہر کے ادبی و ذی شعور اصحاب کی صحبتوں میں بیٹھنے اور فیضیاب ہوتے کا موقع ملتا رہا لیکن ادب و فن کے اہم مراکز سے دور اپنا مطالعہ ہی مرا رہتا رہا ہے۔

اس مرحلہ پر مجھے اپنے فن کی تکمیلیت کا دعویٰ نہیں کیوں کہ جہاں تک مرے اعتبارات کا تعلق ہے میں ابھی اپنے فن سے مکمل طور پر مطمئن نہیں، میں ادب اور فن میں خوب سے خوب کے حصول کا متمنی ہوں۔ ابھی وہ منزل دور ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔ میری اپنی شعری کاوشوں کا ایک چھوٹا سا تذکرہ ”لمحہ لمحہ زندگی“ کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد اس پر آپ کی گراں قدر رائے کا میں منتظر رہوں گا۔

صابر کا غذا نگری

D/450 نیو ایس بی ایم نیو کالونی

سرپور کا غذا نگر - 504296

آندھرا پردیش

عرضِ ناشر

ادارہ گونج نظام آباد کی شروع سے ہی کوشش رہی ہے کہ دکن کے قلم کاروں اور خاص طور پر ریاست آندھرا پردیش کے اضلاع اور تعلقہ جات میں مقیم قلم کاروں نیز نوجوان ادیبوں اور شاعروں کو ان کی تخلیقی صلاحیتوں کے مظاہرہ کے بہتر مواقع فراہم کرے۔ اسی مقصد کے تحت گونج پبلیکیشنز (نظام آباد) کا قیام عمل میں لایا گیا اور گزشتہ چند ہی برسوں میں متعدد کتابیں نظم و نثر گونج پبلیکیشنز کے زیر اہتمام منظر عام پر لائی گئیں۔

جناب صابر کاغذ نگری کا پہلا شعری مجموعہ ”لمحہ لمحہ زندگی“ اسی مقصد اور اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ صابر کاغذ نگری خوش دل، خوش فکر اور پر گوش شاعر ہیں۔ اپنے دلاویز کلام اور اپنے سحر انگیز ترنم سے انہوں نے بہت کم عرصہ میں مشاعروں میں اپنے لئے جگہ بنالی ہے۔ قرب و جوار کے اضلاع اور دور بھ کے شہروں میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں انھیں بڑے چاؤ سے سنا اور پسند کیا جاتا ہے۔ ان کے مزاج کی طرح ان کے کلام اور ان کی آواز کی مٹھاس سامع کو سکون کی ان وادیوں میں لے جاتی ہے جہاں پہنچ کر سامع کچھ دیر کے لئے دنیا کی ہنگامہ آرائی سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور شاعری کے لطیف ماحول میں خود کو بلکا مچھلکا محسوس کرتا ہے۔

صابر کا غزنگری کی غزلوں میں قاری کو وہ سب کچھ مل جاتا ہے جس کی آج کے
دب اور آج کے معاشرہ کو ضرورت ہے۔

یہ یقین ہے کہ شعر و ادب کے شیدائی جنھوں نے مشاعروں میں صابر
اغزنگری کی بھرپور حوصلہ افزائی کی ہے، اس مجموعہ کی معرفت ان کی پذیرائی کریں گے
شعر و ادب کا یہ جواں سال اور تازہ قلم کار آئندہ بھی اپنے فن اور اپنے کلام سے
دو ادب کو سیراب کرتا رہے۔

میری نیک تمنائیں صابر کاغزنگری اور ”لمحہ لمحہ زندگی“
کے ساتھ ہیں۔

حمیل

حمیل نظام آبادی

مدیر

ماہنامہ ”گوئج“، گوئج پبلیکیشنز
نظام آباد

حمد

تو ہی ابتداء تو ہی انتہا، تری شانِ جلّ جلالہ،
ترا وصف کوئی کریگا کیا، تری شانِ جلّ جلالہ،

تو ہی سوز ہے تو ہی ساز ہے، تو ہی رازِ دان تو ہی رازِ سجّہ
تری ہر ادا بڑی دل رُبا، تری شانِ جلّ جلالہ،

دیئے تو نے پھولوں کو رنگ، بوکیا گلستانوں کو سُرخرو
چلے تیرے حکم سے یہ صبا، تری شانِ جلّ جلالہ،

تیرے فیضِ عام کی بات ہے، ترے ہاتھ ساری حیات ہے
تیری رحمتوں کا ہے سلسلہ، تری شانِ جلّ جلالہ،

ترا شکر، دست بہتر دیا، ہمیں عقل و نقدِ نظر دیا
تیرے فیض کی تمہیں انتہا، تری شانِ جلّ جلالہ،

تری حمد کرتے ہیں بحرِ بزر ترے آگے کھکتے ہیں سب کے سر
مگرے مدحِ صابرِ خوش نوا، تری شانِ جلّ جلالہ،

نعت

دونوں جہاں میں اس کا بھلا ہے رسولِ پاک ﷺ
سُنّت پہ آپ کی جو چلا ہے رسولِ پاک ﷺ

راہِ نجات پا کے ہوا کامیاب وہ
سانچے میں دین کے جو ڈھلا ہے رسولِ پاک ﷺ

جَب جَب بھی آیتوں کا نزل آپ پر ہوا
اسلام اور پھولا پھلا ہے رسولِ پاک ﷺ

ایماں کے زیر کرنے کو باطل کا قافلہ
تینخ و تیر کے ساتھ چلا ہے رسولِ پاک ﷺ

مُر جھانہ پائے گامے ایمان کا شجر
ہاتھوں سے آپ کے جو پھلا ہے رسولِ پاک ﷺ

درسِ حیات آپ سے ہم کو یہ مل گیا
دُنیا بھلی ہے دیں بھی بھلا ہے رسولِ پاک ﷺ

صّابر کے لب پہ کلمہ طیب کے ساتھ ساتھ
ہر وقت وردِ صلّے علی ہے رسولِ پاک ﷺ

کوئی جاہ دے نہ جلال دے مجھے صرف اتنا کمال دے
میں ہر ایک دل کی صداہنوں کہ زمانہ میری مثال دے

میں بلندیوں پہ رہوں مگر رہے پستیوں کی مجھے خبر
وہ عروج کر مجھے تو عطا جو کبھی نہ مجھ کو زوال دے

تری رحمتوں کا نزول ہو، میری محنتوں کا صلہ ملے
مجھے مال و زر کی ہو سن ہو، مجھے رزق دے تو حلال دے

میں ہوں ایک ذرۂ ناتواں، میں کسی کا درد نہ سہہ سکوں
مجھے عزم دے، مجھے صبر دے، مجھے رنج دے نہ ملال دے

مرے ذہن میں تری فکر ہو، مری سانس میں ترا ذکر ہو
ترا خوف مری نجات ہو، بس بھی خوف دل سے نکال دے

تیری بارگاہ میں اٹے خدا مری روز و شب ہے یہی دعا
تو رحیم ہے تو کریم ہے، تو بھی بلاؤں کو ہال دے

میں کہ ایک بندہ حقیر سا، میرا نام صابرِ ناتواں
ترا ذکر ہی مری فکر ہے، تری فکر تیرا خیال دے

کرب و بلا کا آنکھوں میں منظر بھی آئے گا
ہمسراہ آنسوؤں کا سمندر بھی آئے گا

پہلے تو اپنے آپ کو سورج میں ڈھال لو!
خود تشنگی بجھانے سمندر بھی آئے گا

تہمت ازل سے ملتی رہی ہے اسی طرح
شیشہ اگر بنو گے تو پتھر بھی آئے گا

پہلے تو اُس سے اپنا تعلق بنائیے
خط اُس کا لپکے چھت پہ کبوتر بھی آئے گا

پلکوں پہ اپنی چاند ستارے سجا رکھو
اک دن حسین خواب کا پیکر بھی آئے گا

پودا لگانے ڈرتے ہیں یہ سوچ کر ہی لوگ
آنگن میں پیڑ ہو گا تو پیٹھ پر بھی آئے گا

ٹکراؤ خود ہی ظلم سے، یہ سوچ ہے غلط
گھر کو بچانے شہر سے لشکر بھی آئے گا

صابر، مرا عزیز جو میری نظر میں ہے
آنکھوں سے چل کے وہ مرے اندر بھی آئے گا

عجیب حرف تھا دہم و گمان میں بھی نہ تھا
کہ اُس کا ذکر کسی داستان میں بھی نہ تھا

میں اپنے گھڑ کے اندھیروں سے خوف کیا کھاتا
اُب جالا سامنے والے مکان میں بھی نہ تھا

کچھ اس طرح سے ہر اک چھت پہ آگیا سورج
کہ سایہ اب کے کسی سائبان میں بھی نہ تھا

بچھڑ کے پھر نہ ملے گا بھی وہ دنیا میں
یہ سا نخ میرے دہم و گمان میں بھی نہ تھا

ہر ایک چیڑ و ہاں دستیاب تھی لیکن
بس اک خلوص کسی دکان میں بھی نہ تھا

ہمارے لفظ تھے خجڑ، مگر تم اپنی کہو
کہ حرفِ شہد تمہارے بیان میں بھی نہ تھا

کنارے آ لگی کشتی یہ معجزہ ہی ہوا
کوئی تنادِ مرے بادبان میں بھی نہ تھا

مگر شکاری نے نیچے گرا لیا اس کو
پرندہ ویسے تو ادھی اڑان میں بھی نہ تھا

یہ زندگی بھی عجب کش مکش میں تھی صابر
اک امتحان تھا مگر امتحان میں بھی نہ تھا

غریب شہر کو بس لا علاج رکھتا ہے
امیر شہر نرالا مزا ج رکھتا ہے

وہ ایک شخص ہی اس شہر میں مخیر ہے
جو بوریوں میں چھپا کر اناج رکھتا ہے

خوش آمدید کہے گا اُسے تو مستقبل
چھپا کے وقت جو مٹھی میں آج رکھتا ہے

اُسے ہے فکر شب و روز بس رعایا کی
وہ اپنے سر پہ تو کانٹوں کا تاج رکھتا ہے

جو اُس کی ذات پہ کامل یقین رکھتے ہیں
خدا تو ایسے ہی بندوں کی لاج رکھتا ہے

وہ قتل ہوتا ہے صابر جو سر اٹھا کے چلے
یہ شہر اپنا الگ ہی رواج رکھتا ہے

قید دستِ ہنر میں رہتا ہوں
میں کہ فکر و نظر میں رہتا ہوں

اس سے کتنا قریب ہوں میں بھی
دردِ بن کر جگر میں رہتا ہوں

جس کے زیرِ اثر زمانہ ہے
میں اُسی کے اثر میں رہتا ہوں

معرکہ سا ہے زندگی شاید
میں کہ تیغ و تیر میں رہتا ہوں

یاد آتی ہے بے گھروں کی مجھے
جب بھی میں اپنے گھر میں رہتا ہوں

میں مسافر ہوں تیرے رستے کا
لحہ لمحہ سفر میں رہتا ہوں

سب تماشا ثانی دور ساحل پر
میں غموں کے بھنور میں رہتا ہوں

کوئی میری نظر میں رہتا ہے
میں کسی کی نظر میں رہتا ہوں

مجھ کو پہچانتے ہیں صابر ہوں
میں تو کاغذِ نگر میں رہتا ہوں

برہم کبھی رہی، کبھی ہم سے خفا ہوئی
یہ زندگی تو جیسے مسلسل سزا ہوئی

چلتے بدن، سلگتے مکان، چار سولہو
جانے یہ کسی شہر کی آب و ہوا ہوئی

ہم نے دقا نبھانے کی کھائی تو بے قسم
یہ بھی اگر خطا ہے تو بے شک خطا ہوئی

ابلیس اپنے فعل پہ نادم نہیں ہوا
اُس کے لئے خود اُس کی آنا ہی سزا ہوئی

دامن جو میں نے تھام لیا صبر و ضبط کا
آفت جو آئی سر پہ مرے وہ ہوا ہوئی

درجے ہوئے بلند، مقدّر ستور گیا
جس وقت با اثر میری ماں کی دعا ہوئی

صابر نہیں ہے مول کوئی اُس کی ذات کا
جس سے کہ فیضیاب یہ خلقِ خدا ہوئی

کہیں کہانی، کہیں یاد، حادثہ پتھر
 رہ حیات میں بکھرا ہے جا بجا پتھر

حسین تاج محل کی حسین عمارت میں
 نظر نظر کو لبھاتے ہیں خوش نما پتھر

تراشا ہے اسے فنکار نے سلیقے سے
 پڑا تھا راہ میں، ہے آج دیوتا پتھر

”کہاں وہ خود ہیں“ ہے منزل کہاں آیتنا ہے
 مسافروں کا تور ہیر ہے میل کا پتھر

ذرا سا اُس کو بھلانے کی بات سوچی تھی
پرانے زخم پہ پھر آگے لگ گیا تھڑ

مرے خلوص میں کوئی کمی ہوئی شاید
پڑوسی گھر سے مرے گھر پہ آگرا تھڑ

بٹا ہے ایک سا منظر ہزار تپسوں میں
کہ ہو گئے تھے مقابل یہ آئینہ تھڑ

تباہیوں کا اب اُس کی یقین کر لیجئے
کہ جسکی عقل پہ صابر ہے پڑ گیا تھڑ

اپنے دشمن سے رہوں برسرِ پیکار ابھی
اس نے رکھی ہی نہیں نیا م میں تلوار ابھی

سُرخیاں اُس کی ابھی سے میں بتادوں تم کو
چھپکے آیا نہیں بازار میں، اخیسٹار ابھی

کل وہی گلیوں میں راون کی طرح پھرتے تھے
بن کے بیٹھے ہیں جو اسٹیج پہ اوتار ابھی

قتل گرا اُس نے کیا بھی ہے تو قاتل نہ کہو
جُرم کا اُس نے کیا ہی نہیں اقرار ابھی

اس سے رشتہ ہے مرا اس کی دلالت یہ ہے
میرے آنکھ میں اٹھی ہی نہیں دیوار ابھی

کس کو اپنا کہوں صابر میں کسے غیر کہوں
بڑے بوجھل ہیں میرے شہر کے کردار ابھی

صداقتوں سے عبت انحراف مت کرنا
کہ میرے بھائی کو میرے خلاف مت کرنا

کہیں وہ زعم خودی میں خدا نہ بن بیٹھے
کسی بھی شخص کا اتنا طواف مت کرنا

سمندر روں کے سفر میں یہی ہے دانائی
ہوا کے رخ سے کبھی اختلاف مت کرنا

جہاں میں کوئی نہیں ہے ضمیر سار بہر
کہ کوئی بات ہو اس کے خلاف مت کرنا

زباں کھلے گی نہیں رعبِ حُسن کے آگے
خموش رہنا یہاں شین قاف مت کرنا

ہمارے اپنوں میں خود انتشار ہے صابر
یہ بات سچ ہے کوئی اختلاف مت کرنا

ترے مدد جزر سب جانتا ہوں
تجھے اے زندگی پہچانتا ہوں

دفا کے شامیہ نے اس نگر میں
جہاں مرضی میں آئے تانتا ہوں

کفن باندھے ہوئے نکلا ہوں سرے
میں انجام محبت جانتا ہوں

پہنچ جاتا ہوں بس منزل پہ اپنی
میں اپنے دل میں جب بھی ٹھانتا ہوں

جو اپنی ذات پہ پامائے متکا ہو
اسے ہی میں، سکندر مانتا ہوں

کسے حاصل ہوئی، جو مجھ کو ہوگی
میں خاکِ زندگی کیوں چھانتا ہوں

شکستوں کی میں اپنے ذمہ داری
خود اپنی ذات کو گردانتا ہوں

مرا یہ حسنِ ظن کوئی تو دیکھے
ستم اُن کا کرم ہی جانتا ہوں

تیری نظروں سے پی کر جامِ الفت
ترا ہر حکم ساقی مانتا ہوں

زندگی کو عجبُ نہیں لکھا
میں نے کچھ بے سبب نہیں لکھا

بے نسب کا، نسب نہیں لکھا
اور اناں کو رب نہیں لکھا

خط میں لکھا خفا ہے وہ مجھ سے
روٹھنے کا سبب نہیں لکھا

شکر ہے مجھ کو میرے دشمن نے
بو جہل، بولہب نہیں لکھا

لکھنے والے نے میری فطرت میں
حرفِ غیظ و غضب نہیں لکھا

حق کو حق ہی لکھا ہے صابر نے
صبح صادق کو شب نہیں لکھا

بھائی کو سہارا یہاں بھائی نہیں دیتے
کیا ہو گیا، انسان دکھائی نہیں دیتے

ہر شخص ہے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے کاسہ
گوچرے نشاناتِ گردائی نہیں دیتے

جو آج میسر ہے وہ شاید نہ رہے کلے
ہم اس لئے بچوں کو مٹھائی نہیں دیتے

خوابوں کی پری کوئی نہ اب چاند کی بڑھیا
دادی جو گئی قصے، سنائی نہیں دیتے

وہ سچ کی فضاؤں میں کبھی جی نہیں سکتا
کیوں جھوٹ کتے پنچھی کو رہائی نہیں دیتے

ادروں کی نط سے کبھی، خود کو بھی پرکھنا
شیشے میں سمیعیب دکھائی نہیں دیتے

وہ پردہ نشین دل میں مرے جلوہ نشین ہے
صائبریہ مرا سم تو دکھائی نہیں دیتے

جب بھی منزل کے لئے عزم کے پیکر نکلے
گھر سے احباب لئے ہاتھوں میں پتھر نکلے

ہم نے ماضی کی جوتا ریخ اٹھا کر دیھی
کتنے افلاس زدہ لوگ سکندر نکلے

راہ میں لوٹ لیا سارا اثاثہ اپنا
کتنے بے درد زمانے کے یہ رہبر نکلے

آہ! اُس شخص کی قسمت تھی نہ جانے کسی
جس کی بھولی میں سدا درد کے پتھر نکلے

میں جنہیں مخلص و غم خوار سمجھ بیٹھا تھا
استینوں میں چھپائے ہوئے خنجر نکلے

صابر اس شخص سے لوگوں کا تعلق یوں تھا
اُس کی یاد آئی تو آنکھوں سے سمندر نکلے

میرے یا تیرے سبھی کے واسطے
سب بھڑکے ہیں زندگی کے واسطے

اپنے چہرے کو بدل کر آگئے
سارے رہ زن رہنری کے واسطے

کیا عجب تھے لوگ جو کرتے رہے
دوستی بھی دشمنی کے واسطے

ظلمتیں غم کی مٹانے کے لئے
روشنی دی زندگی کے واسطے

آرزو، غم، بے قراری، انتظار
سب اٹھا رکھا اسی کے واسطے

طے کیا ہے درد کا لمبا سفر
لمحہ لمحہ زندگی کے واسطے

بعد بدت کے کھلا صابر کہ بس
شاعری ہے زندگی کے واسطے

حرفِ برتوں تو کسی پھول کی خوشبو آئے
میر و غالب کی طرح مجھ کو بھی اُردو آئے

جب کبھی آیا مجھے عہدِ گزشتہ کا خیال
تیری یادوں کے میرے ذہن میں آہو آئے

تیرا چہرہ مجھے بدلی میں چھپا چاند لگا
تیرے رخسار پہ جب بھی ترے گیسو آئے

میں اندھیروں میں تجھے ڈھونڈ رہا تھا کب سے
تیرا پیغام سنانے مجھے جگنو آئے

تیرے جلوے کہ نگاہوں میں بسے ہیں ایسے
آئینہ دیکھوں اگر میں تو نظر تو آئے

وہ کنارے پہ یقیں ہے کہ پہنچ جائے گا
جس کو موجوں سے اُلجھ جانے کا جادو آئے

یاد میں کس کی یہ سچے راکتیں آنکھیں صابر
خون آیا نہ تیرا آنکھ میں آنسو آئے

سلسلے سب ختم ہوں گے واقعہ رہ جائے گا
سونا سونا اپنے گھر کا راستہ رہ جائے گا

ایک موسم کی طرح گزرے گا یہ حسن و شباب
اور ہاتھوں میں فقط اک آئینہ رہ جائے گا

زندگی کا کیا ہے وہ لمحوں میں گم ہو جائے گی
نام بس کاغذ کے ماتھے پہ لکھا رہ جائے گا

بانٹ لیں گے سب درد دیوار میرے بعد میں
بے سرو سامانیوں کا تذکرہ رہ جائے گا

ہم چلے جائیں گے لیکن پھر بھی کے ذہن میں
صرف یادوں کا ہماری سلسلہ رہ جائے گا

سچ کہے گا اور گنوا بیٹھے گا خود اپنا وجود
پتھروں کے سامنے کیا آئینہ رہ جائے گا

رات لکھ جاؤں گا صابر میں سبھی احوال شب
تبصرہ لکھنے کو اس کے حاشیہ رہ جائے گا

اپنی مٹھی میں چھپا کر یہی جساد رکھ لے
جذبیہ شوقِ طلب، قوتِ بازو رکھ لے

کامراں تجھ کو جو ہوتا ہے زمانے میں تو پھر
اپنے احساس کے اظہار پہ قابو رکھ لے

راستے میں وہ کہیں پھر سے ملے یا نہ ملے
ذہن میں اُس کے حسین لمس کی خوشبو رکھ لے

اپنے سرتاپا کا احساس تجھے ہو جائے
عکس اپنا ہی مقابل جو کبھی تو رکھ لے

شعر گوئی کی نمازت کے سفر میں صابر
میر و غالب کے بیاں کی ذرا خوشبو رکھ لے

یہ زبردقت کا شکر ہے کیا کیا جائے
اکیلا سب پیسہ ہے کیا کیا جائے

حیات کا نٹوں کا بستر ہے کیا کیا جائے
یہ آدمی کا مقدر ہے کیا کیا جائے

وہ فصلِ شعور و سخن کو کہاں سے لائیں گے
زمینِ فکر ہی بخیر ہے کیا کیا جائے

ہمارے لوگ تو شیشوں کے گھر میں رہتے ہیں
پرانے ہاتھ میں پتھر ہے کیا کیا جائے

وہ میرے ظرف کی گہرائیاں نہ سمجھے گا
خمش میرا سمت در ہے کیا کیا جائے

بچاؤں کس طرح ہرہ میں اپنی بازی کا
وزیر شاہ کے سر پر ہے کیا کیا جائے

چھپاؤں سر تو کھلے پاؤں منہ چڑاتے ہیں
غریب شہر کی چادر ہے کیا کیا جائے

مخالفین بہت اُس کے ہیں مگر صابر
وہ اک خلوص کا پیکر ہے کیا کیا جائے

وہ بات بات پہ دل کو ملرل کرتا ہے
عجیب شخص ہے کارِ فضول کرتا ہے

وہ سوچتا ہی نہیں ہے بُرا بھلا اپنا
اسے پتہ ہی نہیں کسی بھول کرتا ہے

قدم قدم پہ میں اُس کے گلاب رکھتا ہوں
وہ میری راہ کو نذرِ بھول کرتا ہے

جو تو کہے تو یہ زہرِ اب بے جھک پی لوں
کہ تیری بات مرادِ قبول کرتا ہے

ہر ایک زخم ہے آئینہ اپنے ماضی کا
تو کیوں یہ عکس مٹانے کی بھول کرتا ہے

وہ کیسا دوست تمہارا تمہی کہو صابر
جو اپنے پیار کی قیمت وصول کرتا ہے

اُس کی آمد ہے گلابوں کو پچھا رہنے دے
نہ اڑا خاک ذرا دیر صبا رہنے دے

دل میں ایمان و یقین ہر وقت رہنے دے
سرخرو مجھ کو بھی تو روزِ جزا رہنے دے

دار پہ چڑھ کے بھی حق بات تجھے کہنی ہے
ساری دنیا جو خفا ہے تو خفا رہنے دے

ہر طرف جلتے ہیں بے نور چراغوں کے دیئے
مردِ مومن ہے تو آنکھوں میں حیا رہنے دے

تا بکے طمنز کے یہ تیر چلیں گے مجھ پر
بغضِ سینے سے مٹا دل میں دفا رہنے دے

رنج دیتی ہے بتوں کی یہ محبت صابر
سر کو سجدے میں جھکا دل میں خُدا رہنے دے

کوئی رُودادِ محبت نہیں اچھی لگتی
آج دُنیا کو صداقت نہیں اچھی لگتی

”حرفِ حق“ جس نے کہا اس کو فقط دارِ ملے
اور اس بات پہ حیرت نہیں اچھی لگتی

ذہنِ دل جتنکے ہیں بیمار انہی اندھوں کو
کوئی صورت ہو کہ صورت نہیں اچھی لگتی

مرادِ علم کی نعمت سے متور کر دے
مجھ کو قارون کی دولت نہیں اچھی لگتی

وہ سراسر تھ نہیں ہوتا تو مجھ کو صابر
زندگی کی کوئی راحت نہیں اچھی لگتی

آدمی آدمی کو کیا دے گا
جو بھی دے گا تو وہ خدا دے گا

اک تصوّر ہی تیرا کافی ہے
فکر و فن کو مرے جلا دے گا

جس کے ایمان میں صلابت ہے
نارِ نمرود دہ بجھا دے گا

اُس کی سانسیں ہی اُس پہ بھاری ہیں
نچھ کو جلینے کی کیا دعا دے گا

اُس سے یوں دُور دُور رہنا تو
اختلافات کو ہوا دے گا

وصل کی آنچ کے پگھلتے ہی
وہ میرے پیار کو بھلا دے گا

ساقیا! تیرا خالی پیمانہ
تشنگی اور بھی بڑھا دے گا

ہاتھ مجھ سے چھڑا گیا صابر
وہ مجھے اور کیا سزا دے گا

ہر طرف خون، فسادات، غُٹزل کیسے کہوں
میں عجب شہر کے حالات، غُٹزل کیسے کہوں

شور انگلیز میں لمحات، غُٹزل کیسے کہوں
سوچتا ہوں یہی دن رات، غُٹزل کیسے کہوں

مطمئن کون ہے اور کس کوسکوں حاصل ہے
لُٹ گئی امن کی بارات، غُٹزل کیسے کہوں

ساتھ سب کچھ ہی بہا لے گئے اس کے آنسو
ہے بری زور کی برسات، غُٹزل کیسے کہوں

فکر کی جھیل میں پھینکا ہے یہ کس نے پتھر
منتشر ہیں مرے جذبات، غُٹزل کیسے کہوں

اک سراسیمگی صابر مرے چاروں جانب
اور سخن وقفِ خرافات، غُٹزل کیسے کہوں

کبھی خیال کے پیکر کبھی شبابِ جلے
وفا کی شاخ پہ کھلتے ہوئے گلابِ جلے

اُبھر کے آگئے الفاظ جب کتابِ جلی
ہماری زسیت کے اوراقِ بے حسابِ جلے

قدم قدم پہ ہوا اُس کی جنتوں کا نزول
کہ زندگی کے اندھیروں میں آفتابِ جلے

کسی کی بات نہ تھی ذکر تھا زمانے کا
ہماری بات سے پھر آپ کیوں جنابِ جلے

وہ ریگ زار، سمندر کی طرح تھا صابر
میری نگاہ کے منظر تھے زیرِ آبِ جلے

بے وفا دُنیا میں کوئی با وفا مل جائے گا
پتھر وں کے شہر میں کیا آئینہ مل جائے گا

رنج کا ہو یا خوشی کا سلسلہ مل جائے گا
جو مقرر میں لکھا ہے وہ لکھا مل جائے گا

چل پڑو منزل کی جانب راستہ مل جائے گا
تیسرگی سے آپ کو میرا پتہ مل جائے گا

رنج و غم کے دشت سے اک راہ نکلے گی ضرور
حادثوں میں پلتے پلتے حوصلہ مل جائے گا

فاصلے بھی قُربتوں کے دائروں میں آئیں گے
جب دیارِ غیب میں وہ آشنا مل جائے گا

وہ بڑا مونس بھی ہے ہمدرد بھی صابر بھی ہے
وہ جو آئے گا تو ہم کو آسرا مل جائے گا

دل کو لگا کے اس سے میں رسوا بہت ہوا
یوں زندگی کا میٹری تماشہ بہت ہوا

اب کے ہمارے شہر میں دنگا بہت ہوا
انسان دورِ نو کا درندہ بہت ہوا

غم تھے عسٹریز، ہم سے بھلائے نہ جاسکے
ہر چند دوستوں کا تقاضہ بہت ہوا

جب بھی اُجالے قتل اندھیروں میں ہو گئے
ہر سمت تیری گئی کا ہی چہرہ بہت ہوا

واعظ ترے عمل کو بہت جانتے ہیں ہم
جانے دے، پارسائی کا دعویٰ بہت ہوا

سوچا تھا اب کی بار نہ کھائیں گے ہم قریب
اب کے بھی تجسّرات میں دھوکا بہت ہوا

سچائیوں کی سادگی چہرےوں پہ اب نہیں
دنیا کے رُخ پہ جھوٹ کا غار بہت ہوا

صابر قدم قدم پہ قدم پھونک کر رکھو
لوگوں پہ اعتبار کا سودا بہت ہوا

امن واماں کی تھی جو فضا کون لے گیا
شہر و فاسے جس و فسا کون لے گیا

قلب و سکون کی تھی دوا کون لے گیا
مجھ سے چرا کے میری انا کون لے گیا

کل تک یہ شہریوں تو بڑا زرق برق تھا
سب اُٹ چکا ہے کچھ نہ بچا کون لے گیا

اندھے نگر کے اندھے مسافر مجھے بتا
سر پہ ترے جو تھا وہ دیا کون لے گیا

صائب روہ شخص کل تو مر ساتھ ساتھ تھا
اُس کو مری نظر سے چرا کون لے گیا

اب کے سفر میں کوئی اگر ہم سفر ملے
جی چاہتا ہے اہل نظر، دیدہ در ملے

میں نے سمجھ لئے سبھی راہوں کے پیچ خم
اب راہزن ملے کہ مجھے راہبر ملے

بجلی سی کوند جاتی ہے اس دل کے آس پاس
تیری نظر سے کیسے ہماری نظر ملے

مدت سے آرزو ہی دل میں جو ان ہے
مل جائے تو کہیں کہ تیرا سنگ در ملے

جس راہ پہ چلا تھا کبھی میرا کارواں
جی چاہتا ہے اب تو وہی رہنما در ملے

صابر دعا ہے اب تو یہی روز و شب میری
وہ آئے اور مجھ کو ضیائے سحر ملے

(تمام تر مطلعوں پر مشتمل)

طُور پر جلوؤں کی خاطر کیا کوئی اب جائے گا
کون ان حالات کے طوفان سے ٹکرائے گا

ہم اسے بہلائیں گے اور وہ ہمیں بہلائے گا
غم سے بڑھ کر دوست، دو جا کیا کوئی کہلائے گا

ہے تجسّ جس کسی میں گتھیاں سلجھائے گا
پانیوں کی تہ سے وہ لعل و گہر لے آئے گا

ہے یقین مجھ کو کہ اک دن کوہِ غم ڈھ جائے گا
اس اندھیری شب کا اک روشن سویرا آئے گا

سب اسی کو چاہیں گے اور وہ سبھی کو بھائے گا
یہ کرشمہ تو فقط اک آئینہ دکھلائے گا

زندگی کی اُلجھی اُلجھی زلف کو سلجھائے گا
یاد آکر وہ یقیناً دل مرا بہہ لائے گا

جا چکا ملکِ عدم وہ لوٹ کر کیا آئے گا
زندگی بھٹے غمِ جدائی کا ہمیں ترپائے گا

کوئی تو پھر غم کا مارا بن کے صابر آئے گا
غم میں کتنی چاشنی ہے ہم کو یہ بتلائے گا

درد کو اپنے لا دوار کھیتے !
 زخمِ دل کو ہر ابھرا رکھتے

زندگی گر حسین بنانا ہے
 اپنا انداز ہی جُدا رکھتے

عہدِ ماضی عذاب ہی تو نہیں
 کچھ تو یادوں کا سلسلہ رکھتے

کوئی اپنا ہوا یا پرایا ہو
 لب پہ سب کے لئے دعا رکھتے

پُر خطِ زندگی کے رستے میں
 زندہ رہنے کا حوصلہ رکھتے

مصلحت چھوڑ کر سبھی صابر
 سچ کو رکھتے تو بر ملا رکھتے

بے ثبات دُنیا پر جب دُخوف طاری ہے
ہر جگہ تشدد ہے، قتلِ عام جاری ہے

لحمِ لُحْمِ ملکی ہے، لُحْظہ لُحْظہ بھاری ہے
زندگی تماشہ ہے، آدمی مداری ہے

بھول تیرے گلشن کے کاغذی سے لگتے ہیں
فصلِ گل میں ہر ٹہنی خوشبوؤں سے عاری ہے

بے خبر پرندے ہیں اُن سے اتنا کہدیتا
کھیت میں کہیں بیٹھا گھات میں شکاری ہے

بات جو کہی تم نے، وہ نہ ہم سمجھ پائے
کچھ کمی تمہاری تھی، کچھ کمی ہماری ہے

موت کی تمازت نے بس پگھلتی جاتی ہے
زندگی کی یہ گڑیا دیکھنے میں پیاری ہے

نام جس کا صابر ہے حسن کا ہے شیدائی
اس نے شہرِ خواہاں میں زندگی گزاری ہے

حوصلہ جینے کا کچھ اپنے جگر میں رکھیے
خود کو رکھنا ہے تو پھر برق و شر میں رکھیے

گر نہیں فکر و نظر عقل کے ہمراہ تو پھر
قاعدے، تبصرے، تنقید کو گھٹڑ میں رکھیے

لوگ ایسے کہ جو مکر بھی امر ہوتے ہیں
ایسے انسانوں کے کردار نظر میں رکھیے

تم کو تنقید کا حق بھی ہے مگر دیوانو!
غیب اپنے بھی ذرا اپنی نظر میں رکھیے

اپنی منزل پہ پہنچنے میں کوئی دیر نہیں
اس کی یادوں کے دیئے ساتھ سفر میں رکھیے

منزلیں کھنچ کے چلی آتی ہیں خود ہی صابر
کچھ سفر کرنے کا سودا بھی تو سر میں رکھیے

فرقہ دارانہ فسادات سے ڈر لگتا ہے
دوستوں ملک کے حالات سے ڈر لگتا ہے

یہ اندھیرے نہ کہیں اپنا مقدر ٹھہریں
وقت کی کہنہ روایات سے ڈر لگتا ہے

جانے کس وقت مصیبت کی گھڑی ٹوٹے
ہم پہ گزری ہوئی آفات سے ڈر لگتا ہے

جائیں بازار تو پھر کوٹ کے آئیں کیسے؟
آج کل شہر کے حالات سے ڈر لگتا ہے

خوف انسان کو بزدل ہی بنا دیتا ہے
کبھی سائے سے کبھی ذات سے ڈر لگتا ہے

تجھ سے ملنے پہ سبھی عیاں ہوتے ہیں
آئینے تیری ملاقات سے ڈر لگتا ہے

دوستی کو بھی جوا احسان جتنا ہے صابر
ایسے کم طرف کی سوغات سے ڈر لگتا ہے

حُسن کی ایک جھلک ہی سے نظر بول پڑے
فن کی معراج ہو ایسی کہ ہنر بول پڑے

حوصلہ جن میں تھا وہ دار و رسن تک پہنچے
سر میں سودا رہا جن کے وہی سر بول پڑے

کتنے پروانے جلے رات کی آغوش میں کل
شام آئی تو چٹراغوں کے ہنر بول پڑے

تشنگی اپنی سمجھنے نہیں پایا ساقی
ہو کے بد حال پریشان نظر بول پڑے

اُس نے اظہار محبت جو کیا تو یہ لگا!
جیسے سناٹے میں صحرا کے گجر بول پڑے

یاد کی وادی میں صابر کے قدم رکھتے ہی
داستاں ماضی کے سنسان کھنڈریں بول پڑے

اُفت کا وہ دیپ بجھائے بیٹھا ہے
نفسِ رت کی دیوار اٹھائے بیٹھا ہے

صدیوں صدیوں راہ دکھائے بیٹھا ہے
بوڑھا برگد سائے سائے بیٹھا ہے

اپنے غم کی بات نہ اُس سے تم کرنا
آنکھوں میں سیلاب چھپائے بیٹھا ہے

اک دن تو آزاد فضا میں ڈولے گا
بے بس بچی آس لگائے بیٹھا ہے

تنہائی میں اس کا غم، اس کا ساقی
محفل میں جو رنگ جمائے بیٹھا ہے

یار وہ ہے شعر و سخن کا بیوپاری
لفظوں کی دوکان سجاتے بیٹھا ہے

نفرت کی پر خاز میں پر اے صابر
چاہت کی تو فصل اگائے بیٹھا ہے

کسی کے واسطے انسان مر نہیں جاتا
کہ جانے والا یہ لمحہ ٹھہر نہیں جاتا

بشر کے ساتھ ہی رہتا ہے شر نہیں جاتا
خسرو کا روگ ہے یہ عمر بھر نہیں جاتا

کسی کے درد کو محسوس دل نہیں کرتا
ہجوم غم سے وہ جب تک گزر نہیں جاتا

جو ایک بار چلا آئے تیرے کوچے میں
قسم خدا کی کبھی لوٹ کر نہیں جاتا

اک ایک لفظ ہے گویا کہ ایک اک موتی
تمہارے لہجے کا دل سے اثر نہیں جاتا

تو اس پہ ہوگی ہی دُشوار منزل مقصود
جو لے کے ساتھ ہی زاد سفر نہیں جاتا

وہ آشیانے بنائے گا بار بار صابر
پزندہ بجلیاں گرنے سے ڈر نہیں جاتا

یاد جب آتی ہے اُس کی تو بھلا لگتا ہے
درد کا پیڑ ہر اک رُت میں ہر اک لگتا ہے

آئینہ ہوں مجھے ہر چہرہ کھرا لگتا ہے
مسٹر ایہ طرزِ عمل اُس کو بُرا لگتا ہے

جس کو بھی دیکھئے وہ مجھ سے خفا لگتا ہے
بات سچ کہتا ہوں دُنیا کو بُرا لگتا ہے

اب تو زخموں سے کوئی ٹیس نہیں اٹھتی ہے
درد جب حد سے سوا ہو تو دوا لگتا ہے

اپنے جیسا تو یہاں ایک بھی انسا نہ ملا
یہ تنہا شہر مجھے شہرِ انا لگتا ہے

یاد کی آگ بجھانے سے کہاں بجھتی ہے
راکھ کا ڈھیر تو ظاہر میں بجھا لگتا ہے

اُس کے ملنے سے ہر اک بار خوشی ملتی ہے
مجھ کو صابر وہ زمانے سے جدا لگتا ہے

دید کا سر میں سودا کیسا
 طور پہ اس کا جلوہ کیسا

عہد و پیمان توڑنے والے
 بتلاتیہرا وعہدہ کیسا

کون تصور میں ہے آیا
 کیسی اُلجھن، دھڑکا کیسا

دل رویا تو روتی آنکھیں
 آنکھ سے دل کا رشتہ کیسا

نفرت نفرت فصل آگئی ہے
 بیج یہ تو نے بویا کیسا

جھوٹ ہے تو اور میں سچائی
 تیرا میرا رشتہ کیسا

دشمن تو پھر دشمن ٹھہرا
 دشمن سے سمجھوتہ کیسا

جینا ہے تو کچھ کرنا ہے
 صابر آنا جانا کیسا

کل رات کوئی کان میں رس گھول رہا تھا
اس جھوٹ کی نگری میں بھی سچ بول رہا تھا

دہشت تھی وہ پھیلی کہ گھروں میں تھے چھپے لوگ
گلیوں میں بھی جنگل کا سا ماحول رہا تھا

غافل تھے درندے کہ شکاری سے نہ چونکے
چالاک پرندہ تھا کہ پر تول رہا تھا

دُنیا جسے کہتی ہے ”مقدّر کا سکندر“
اُس شخص کے ہاتھوں میں بھی کشل رہا تھا!

حیرت سے اُسے میری انا دیکھ رہی تھی
کم طرف مرے طرف کو جب تول رہا تھا

اک میں تھا کہ ہر گام اُسے بھولتا چاہا
اک وہ تھا کہ ہر یاد کا در کھول رہا تھا

صابر اُسے معلوم نہ تھی اپنی ہی قیمت
جوفن کے ترازو میں مجھے تول رہا تھا

دوست بنائے دشمنی رکھنا
شہر میں خود کو اجنبی رکھنا

دل کو بھستا تا نہیں کوئی منتظر
کیا نگاہوں میں دلکشی رکھنا

شہر میں پھڑپھا ہیں ہنگامے
رات کھڑکی نہ تم کھلی رکھنا

ذہن میں یاد کے جلا کے دیئے
دل کی دادی میں روشنی رکھنا

نیند آئے گی ساتھ بچپن کے
اپنے خوابوں میں اک پری رکھنا

جانے کس پلِ بُلادہ آجائے
کس کے بس میں ہے زندگی رکھنا

داد صابر کہاں سے پاؤ گے
طاق میں ایسی شاعری رکھنا

لہجہ تھا نرم کانوں میں رس گھولنے لگا
وہ دھیمے دھیمے حرفِ جنوں بولنے لگا

منظرِ وہ سارے ماضی کے آنکھوں میں پھر گئے
پھر میرا ذہن یادوں کے درگھولنے لگا

وہ کاٹھ کا شکاری جو بچوں نے پالیا
کاغذ کا اک پرندہ بھی پر تو لے لگا

وہ میٹر راز دار تھا لیکن نہ جانے کیوں
میٹرے تمام عیبِ خفی کھولنے لگا

پہلے کبھی تو دل کی نہیں تھی یہ کیفیت
کیوں اس کے دیکھتے ہی یہ من ڈولنے لگا

دانشوری جو میرا سخن تو لے لگی
صابر سنبھل سنبھل کے میں پھر بولنے لگا

حوصلے، عزم، خواب تازہ رکھ
جراتِ انقلاب تازہ رکھ

ساقیا! تو اڑا دے ہوش میرے
حسن کی اک شراب تازہ رکھ

اس کی یادیں سدا رہے روشن
دل میں اک آفتاب تازہ رکھ

خون کے بدلے "خوں بہا" پاؤں
کوئی ایسا حساب تازہ رکھ

اپنی فطرت میں شوخیوں بھر لے
شوق، مستی، شباب تازہ رکھ

زندگی کے حسین گملے میں
کچھ خوشی کے گلاب تازہ رکھ

دوستی کو نہ حد سے بڑھنے دے
اک نصابِ حساب تازہ رکھ

وہ کرے گر سوال کچھ صابر
ایک تازہ جواب تازہ رکھ

بدگمانی سے رو نہیں ہوتا
نیک ایسے میں بد نہیں ہوتا

بالیقیں آدمی وہ پیارا ہے
جس کے دل میں حد نہیں ہوتا

سب میں یکسانیت نہیں ہوتی
ایک ہی سب کا قد نہیں ہوتا

ذہن میں اُس کے شر ہی پلتا ہے
جو کہ اہل خُرد نہیں ہوتا

عشق ہے نامِ جن کا اے صابر
اس کا طول و بلد نہیں ہوتا

جَب سے ترے کرم کا سہارا نہیں رہا
سارے جہاں میں کوئی ہمارا نہیں رہا

وہ پھول وہ کلی وہ شرارہ نہیں رہا
اہل جنوں کا کوئی سہارا نہیں رہا

اس کا رزارِ مستی ناپائیدار میں
اُس کے بغیر جینا، گوارا نہیں رہا

دل کو سکون آنکھوں کو ٹھنڈک جو بخش دے
گلشن میں ایسا کوئی نظر ارا نہیں رہا

فصلِ بہارِ جان و فاءِ شوقِ جستجو
اب وہ حسینِ وقت کا دھارا نہیں رہا

امواجِ حادثات سے ہو کر گزر گئے
طوفان تھا نظر میں کتنا ارا نہیں رہا

صابر ملی جو دولتِ غم خوش نصیب ہو
میں بد نصیب غمِ جنہیں پیارا نہیں رہا

(تمام تر مطلعوں پر مشتمل غزل)

بھیکے ہیں کیوں یہ میرے نین کچھ نہ پوچھئے
کس کے خیال میں ہوں مگن کچھ نہ پوچھئے

احوالِ غم ائے اہلِ چین کچھ نہ پوچھئے
برہم ہے کیوں یہ آج گگن کچھ نہ پوچھئے

کیا ہے دورِ نو کا چسلن کچھ نہ پوچھئے
کیا دور تھا وہ دورِ کہن کچھ نہ پوچھئے

ہر روز جل رہے ہیں بدن کچھ نہ پوچھئے
کس حال میں ہے اپنا وطن کچھ نہ پوچھئے

آئی ہے کیوں جہیں پہ شکن کچھ نہ پوچھئے
صابر یہی ہے دورِ فتن کچھ نہ پوچھئے

پتھراؤ ہو رہا ہے مری ذات کے لئے
کچھ لوگ منتظر ہیں سوالات کے لئے

کوئی بھی تو نہیں سے ملاقات کے لئے
کیوں شام ڈھل رہی ہے جواں رات کے لئے

یہ دن تجھے نہ رات کے دریا میں ڈال دے
اب تو اٹھالے ہاتھ مناجات کے لئے

ہم کو بلا کے وہ تو دریچے سے ہٹ گیا
برسات میں رُکے ہی رہے بات کے لئے

کیا زندگی کو اور خدا سے طلب کریں
ایندھن ہیں ہم تو روز قیادت کے لئے

بول پیسے پیٹھے بول
پیار کا جذبہ ہے انمول

ادروں کے یوں عیب نہ کھول
سب سے پہلے خود کو تول

جامِ محبت سب کو پلا
نفسرت کا تو زہر نہ گھول

بات پہ قائم رہنا سیکھ
قول و عمل میں کیسا جھول

لوگ ہیں تجھ سے کیوں نالاں
کیا ہے بُرائی خود میں ٹٹول

قدریں سب پامال ہوتیں
اب انساں کا کیا ہے مول

چھوٹے منہ سے اتے صابر
بول بڑے ہرگز مت بول

غم مرے آس پاس رہتا ہے
 بن مرے وہ ادا س رہتا ہے

غم تو اک جزوِ زندگانی ہے
 جسم ہو تو لباس رہتا ہے

تم نہیں ہوتے جب خمیں میں تو
 سارا موسم ادا س رہتا ہے

جو غموں کے مہنور میں جیتا ہے
 بس وہی غم شناس رہتا ہے

جس کو جینے کا فن نہیں آتا
 شخص وہ بدحواس رہتا ہے

سرنگوں گرنہ ہو صراحی تو
 غم زدہ ہر گلاس رہتا ہے

اُس کی یادوں کا قافلہ صابر
 میزے زخموں کے پاس رہتا ہے

راہ وفا میں اُس کا مرا سامنا ہوا
یا اپنی زندگی سے مرا واسطہ ہوا

حالات کا شکار ہر اک فرد ہے یہاں
کوئی نہیں زمانے میں غم سے بچا ہوا

برسوں کے بعد بھی وہ بھلایا نہ جاسکا
لہجہ تھا اس کا کانوں میں رس گھولنا ہوا

رُشن تمہاری ذات سے میرا وجود تھا
تم کیا جدا ہوئے مرا سایہ جدا ہوا

خِیّام کی رباعی کہ غالب کی اک غزل
وہ تھا شرابِ شعر و سخن سے دھلا ہوا

اُس کا سخن تو میرے لئے اب حیات ہے
کس طرح بھول جاؤں گا اُس کا کہا ہوا

کتنی ہی نعمتوں سے نوازے گئے ہیں ہم
پھر بھی نہ ایک شکر کا سجدہ ادا ہوا

دیکھا جو مجھ کو کتنے ہی چہرے اتر گئے
صابر میں اپنے آپ میں اک آئینہ ہوا

اپنا یہ زخم جگر ہم نے بتایا بھی نہیں
اُس نے دیکھا بھی نہیں ہم نے چھپایا بھی نہیں

تشنگی یوں ہی رہی جام اٹھایا بھی نہیں
اُس نے مخمور نگاہوں سے پلایا بھی نہیں

تو ہر اک سانس میں آتا رہا جاتا بھی رہا
ہم نے لکھ لکھ کے ترا نام مٹایا بھی نہیں

وقت تو نے نہ دیا ہم کو بھی مہلت نہ ملی
روٹھنے والے تجھے ہم نے متایا بھی نہیں

زندگانی یہ کہاں مجھ کو اٹھالائی ہے !
کوئی اپنا بھی نہیں کوئی پرایا بھی نہیں

تو انا میں ہے مقید تجھے احساس کہاں
تو ہے وہ بیڑ کہ جس کا کوئی سایا بھی نہیں

ویسے بھی ہم سے پشیمان رہا وہ صابر
آئینہ ہم نے زمانے کو دکھایا بھی نہیں

تصوّر میں وہ میرے آنے لگے
مجھے سارے موسم سہانے لگے

مجھے اپنے دل میں بانے لگے
میرے گیت وہ گنگنانے لگے

جو گزرے تھے کل تک تر قریب میں
وہ لمحے سبھی یاد آنے لگے

بہت ہم نے چاہا بھلا دیں اُنھیں
بھلانے میں لیکن زمانے لگے

ہم اُن کے لئے پھول چنتے رہے
وہ ہم پر ہی تھہر اُٹھانے لگے

ترے میکدے کا عجب حال ہے
کہ ساقی یہاں سب سیانے لگے

وفا ہم نے صابر سکھائی جنھیں
وہ اُلفت کا مطلب سکھانے لگے

دل کی حسرت دل میں پل کر رہ گئی
موج دریا میں چل کر رہ گئی

رنج و غم کی رات ڈھل کر رہ گئی
اک بلا تھی سُنہرے ٹل کر رہ گئی

ناگہاں جب موت نے آواز دی
زندگانی ہاتھ مَل کر رہ گئی

کیا پتہ تُو کو تمہاری بے رخی
غنجہ دل ہی مسل کر رہ گئی

دولتِ دُنیا ہے ظالم بے وفا
ہاتھ آئی اور پھسل کر رہ گئی

جان تھی میٹری مگر ہمدم نہ تھی
ساتھ تھوڑی دور چل کر رہ گئی

اس نظر نے دل پہ کیا جا دو کیا
زندگانی سے رُخ بدل کر رہ گئی

زندگی گڑبا تھی صابر موم کی
لمحہ لمحہ جو پگھل کر رہ گئی

پھول پہچانے گئے گلزار سے
شخصیت جانی گئی کردار سے

فن کو تو شہرت ملی فنکار سے
کیا بلا فنکار کو سنار سے

مسئلے سب گفتگو سے حل کریں
زخم سلے ہیں کہیں تلوار سے

عمر کی کشتی بچا کر لائیں گے
حادثوں کی ڈوبتی منجھار سے

رحم کی اُمید ظالم سے نہ رکھ
پاتی ہے خوشبو کسی نے خار سے

زندگی بے کیف ہے تیرے بغیر
راستے بھی ہو گئے پُر خار سے

بے بسی صابر کی دیکھیں تو سہی
غم بھی پایا ہے تو اک غم خوار سے

ہم ترے تصوّر کی تصویر بنالیں گے
دل دل سے ملا لیں گے زنجیر بنالیں گے

نام آئے گا جب اپنا دنیا ہمیں ڈھونڈے گی
ہم ایسی زمانے کی تقدیر بنالیں گے

نفرت کو تعصّب کو ہر دل سے مٹا دیں گے
اخلاق و محبت کو جاگید بنالیں گے

جو ظلم کو روکے گی، ظالم کو مٹا دے گی
وہ عدل و شجاعت کی شمشیر بنالیں گے

ساتی ترے ہاتھوں سے مل جائے اگر پیالہ
پھر زہر ملا ہل بھی اکسیر بنالیں گے

صابر ہمیں خوابوں کی صورت گری آتی ہے
جس طرح بھی چاہیں گے تعبیر بنالیں گے

سر پر فلک کا بوجھ اٹھائے گا کس طرح
تاروں کو آسماں سے لائے گا کس طرح

بچ کے غموں سے دور وہ جائے گا کس طرح
سایہ وہ اپنے قد کا بڑھائے گا کس طرح

تنہائیوں میں اپنی جو روتا ہے رات دن
وہ محفلوں میں گیت سنائے گا کس طرح

آنکھوں میں تیسے نیند ہی باقی نہیں رہی
پلکوں پہ کوئی خواب سجائے گا کس طرح

اپنا وجود خود ہی جو پہچانتا نہیں
سورج کو آئینہ وہ دکھائے گا کس طرح

صابر جو گھبرا چکا ہے اندھیروں کے درمیاں
فکر و نظر کے دیپ جلانے گا کس طرح

حالات کا شکار تھا مجبور ہو گیا
ان کی نگاہ میں تھا مگر دور ہو گیا

وہ حسن، وہ ادا، وہ نزاکت، وہ باتکین
میری نگاہِ شوق میں منظور ہو گیا

اک اُن سے کیا ملی تھی نظرِ نرمِ غیر میں
قصہ ہمارے پیار کا مشہور ہو گیا

غیروں کے ساتھ اُن نو بد کیا تو دل میرا
شیشہ کی طرح ٹوٹ گیا چور ہو گیا

مقتل کی سمت جو بھی گیا خوش دلی کی تھا
وہ عہد سازِ وقت کا منصور ہو گیا

ہے اُس کا ذکرِ دل میں بسی ہے اُس کی یاد
صابر جہاں کا خوف ہی کا فور ہو گیا

کام کچھ ایسا کر گیا کوئی
بس نظر سے اتر گیا کوئی

کس کے پس میں ہے وقت کو روکے
چند لمحے ٹھہر گیا کوئی

کون آیا فضا مہک اُٹھی
بن کے خوشبو بکھر گیا کوئی

رات بھر وہ رہا ہے آنکھوں میں
صبح ہوتے ہی گھر گیا کوئی

اُس کی باتوں کا کیا یقین صابر
کر کے وعدے مکر گیا کوئی

جو مرے درد کی دوا کمر دے
دوست ایسا مجھے عطا کر دے

”حق کی آواز“ دے رہا ہوں
ساری دنیا کو ہمنا کر دے

میں شجر بانٹوں اور ثمر پاؤں
فصل کا ایسا سلسلہ کر دے

تیری یادوں سے جب بھی غفلت ہو
جسم سے روح کو جدا کر دے

فِتْنہ پرور کوئی ہو گر پیدا
میرے مالک اُسے فنا کر دے

نیک اوصاف کا وسیلہ دے
زندگی مشکل آئینہ کر دے

میں تو صابر ہوں صبر کر لوں گا
زخم چاہے تو پھر ہیرا کر دے

ہر طرف کیوں بے کلی ہے آج کل
بے بسی بے چارگی ہے آج کل

زندگی، بے بندگی ہے آج کل
اس لئے آوارگی ہے آج کل

زندگی تاریکیوں میں گھٹکتی
یوں بظاہر روشنی ہے آج کل

آدمیت تو کہیں ملتی نہیں
نام کا بس آدمی ہے آج کل

دن بہ دن بس مرض بڑھتا ہی گیا
کیسی یہ چارہ گری ہے آج کل

کام کوئی منفرد میں کر سکوں
بس یہی حسرت مری ہے آج کل

جانے صابر وہ کہاں غائب ہوا
بے کلی سی بے کلی ہے آج کل

بندہ عشق تو چہرے سے عیاں ہوتا ہے
آگ جلتی ہے مگر پہلے دھواں ہوتا ہے

ایک ہی پل میں بکھر جاتا ہے خوابوں کا محشل
کیا مصیبت کا کوئی دہم و گماں ہوتا ہے

زندگی ہم کو لئے پھرتی ہے شہرِ دُشہروں
ہم غریبوں کا کوئی گھر ہی کہاں ہوتا ہے

زخمِ سینے میں چھپانے سے بھلا کیا حاصل
دردِ دل میں ہو تو چہرے سے عیاں ہوتا ہے

ترا گھر دیکھ کے اس بات کا احساس ہوا
جیسا ہوتا ہے مکس، ویسا مکاں ہوتا ہے

دل سے اب تک نہ گیا بیتی بہاروں کا خیال
زخم چھوتا ہوں تو پھولوں کا گماں ہوتا ہے

عام لفظوں میں ہوس کہتے ہیں اُس کو صابر
جس محبت میں غم سود و زیاں ہوتا ہے

زندگی سے ہو جہاں بیزارگی
ہوش کھوتی ہے وہاں ہشیاری

ہم نے دیکھا آج کے انسان میں
خود نمائی، خود سُری، ہشیاری

اب تو انسان کا مقدر بن گئی
مفلسی، بے مانگی، بے چارگی

زندگی کو سادگی سے کاٹتے
زندگی میں ہو اگر بیزارگی

دل تڑپتا ہے مناظر دیکھنے
ڈھونڈتی ہے آنکھ پھر نظارگی

وقت کے ہاتھوں کھلونا آدمی
لحہ لحہ بے بسی بے چارگی

حوصلے میرے جواں ہوتے گئے
حادثوں سے جب ہوئی دو چارگی

ہم کو صابریا دتورہ جائے گی
دوستوں کی دوستی، غم خوارگی

چمن کی اب ہے تمنّا نہ آشیائے کی
پڑی ہوئی ہے پرندوں کو آب و دانے کی

کوئی تو بات کرو رنجشیں مٹانے کی
بہت ہی گرم ہے یار و ہوا زمانے کی

میں تیری یاد میں تا عمر بے قرار رہا
تجھے تو یاد نہ آئی کبھی دوانے کی

سے سنوار دوں گا میں ذوقِ سُخن سے زلفِ غزل
نہ مٹنے دوں گا زباں میر کے گھرانے کی

خدا نہ چاہے گا جب تک نہ مٹ سکیں گے ہم
زمانہ لاکھ کرے سازشیں مٹانے کی

خلوص و پیار و محبت کو بانٹ کر صابر
چلو بدل دیں فضاء آج پھر زمانے کی

کس قدر ہے حسین یہ پھولوں کی زندگی
کانٹوں میں پل رہے ہیں لبوں پر ہے تازگی

مردمیوں کی دھوپ میں جلتے رہے بدن
جانے ملی ہے کس کو ستاروں کی روشنی

فرصت سے تم ملو، تو غم دل سنائیں ہم
اب یوں کرو نہ ہم سے ملاقات سرسری

وہ دن بھی کیا تھے جھیل پہ ملتے تھے رات دن
پہلی سی ہم میں کس لئے چاہت نہیں رہی

بہر پھول آبدیدہ ہے، بلبل بھی ہے اداس
اب کے نہ جانے کیسی چمن میں ہوا چسلی

کل رات اس کو خواب میں دیکھا تھا اس طرح
ننگی ہے کوہ قاف سے سچ دھج کے اک پری

صابر کو اپنا حال بتا بھی نہیں سکے
دیکھا جو اس کو بڑھنے لگی دل کی بے کلی

ہم سخن کی طرح، ہم زباں کی طُرح
وہ مر سنا تھا ہے جانِ جاں کی طُرح

اس زمیں کی طرح ہم ہیں اس کے قریب
دُور ہم سے ہے وہ آسماں کی طُرح

چاند ہیں آسمانِ محبت کا ہم
وہ ہمارے لئے کہکشاں کی طُرح

آرزو ہے یہی آپ کے شہر میں
کوئی ہم سے ملے مہرباں کی طُرح

آگِ نفرت کی ایسا غضب ڈھا گئی
گلستاں بھی جلا آشیاں کی طُرح

کوئی مانگے نہ ہم سے وِفا داریاں
ہم تو ہیں ملک کے پاساں کی طُرح

کس پہ ظاہر ہو صابر جو اسکا ہے غم
دل میں رہتا ہے دردِ نہاں کی طُرح

زندگی تجھ سے دوستی کی ہے
ہم نے جل جل کے روشنی کی ہے

دم نکلتا نہیں بغیر ترے
آرزو تیری آخری کی ہے

موت سے خوف کی ضرورت کیا؟
موت، سوغات زندگی کی ہے

قافلے، راستے ہی بھول گئے
رہبروں نے یوں رہبری کی ہے

ایک دل کو ہزار غم بخشنے
تو نے اچھی یہ دلگی کی ہے

اک زمانہ ہی محو حیرت ہے
خوب صابر نے شاعری کی ہے

دل کو سکون، روح کو راحت نہ مل سکی
جس کی تھی چاہ اُس کی محبت نہ مل سکی

صورت ملی مگر، کہیں سیرت نہ مل سکی
جس کی تلاش تھی وہی مورت نہ مل سکی

ہم بولتے تو اُس کا ہر اک راز کھولتے
لیکن زباں کو دل کی اجازت نہ مل سکی

منصف گواہیوں کے معنی میں پھنس گیا
سچائیوں کو کوئی ضمانت نہ مل سکی

لہجے کا بانگ نہ تو اسلوبِ فکر و فن
فکر و خیال کو کوئی ندرت نہ مل سکی

خوشیاں خرید لاتے ترے واسطے مگر
ہم کو غمِ حیات سے فرصت نہ مل سکی

صابر چلے تھے ہم بھی وفا کو تلاشتے
لیکن کہیں ہمیں یہ رذائیت نہ مل سکی

ہر سود کھائی دیتا ہے مجھ کو دھواں دھواں
کیسے بتاؤں یادوں کے پیوند میں کہناں

ایسے رہی ہے دل میں محبت تری جواں
آفت کے آسمان پہ جیسے ہو کہکشاں

ہر سو ہے تیرا جلوہ ہر اک شے میں تو ہی تو
ڈھونڈا جہاں بھی پایا ہے میں نے تیرا نشان

دیکھا ہے جب سے تجھ کو تو عالم یہ ہو گیا
مری نظر پر یہ تنگ ہوئے ساتوں آسماں

میں نے کیا ہے عشق کوئی جسم تو نہیں
سر پہ اٹھاتے پھرتے ہو کیوں سارا آسماں

جب بھی گلوں کو بادِ صبا گد گدا گئی
پھٹ تیری یاد دل میں میرے ہو گئی جواں

صابر ہے میرے ساتھ مجھے کوئی غم نہیں
چاہے جدھر کو جائے مری کشتی رواں

یارب مری نظر کو نظر آئے نصیب کر
امواجِ بے کراں کو کتارے نصیب کر

تاریک شب کو چاند ستارے نصیب کر
طوفان کی کشتیوں کو کتارے نصیب کر

ہر چیز تیرے بس میں ہے دونوں جہان کی
بگڑے نصیب کو جو سنوارے نصیب کر

ہر اک قدم پہ ہم کو تری رحمتیں ملے
اتنے بلند و بالا ہمارے نصیب کر

راحت ہو دل کو اور سکوں ہو دماغ کو
دل کی لگی کو اب نہ شرارے نصیب کر

چاروں طرف ہیں جان کے دشمن کھڑے ہوئے
اب دوست مجھ کو جان سے پیارے نصیب کر

منزل پہ اپنی ہم کو پہنچنا ضرور ہے
رہبر نہیں تو اپنے سہارے نصیب کر

غم زندگی کو تو نے بہت سے عطا کئے
صابر کو اب خوشی کے منارے نصیب کر

فلک پر مسکراتی کہکشاں ہے
مرے دیوانہ پن کی رازداں ہے

وہی میں ہوں زمیں ہے آسماں ہے
مگر وہ چاہنے والا کہہ سکاں ہے

میں تجھ سے زندگی ہارا نہیں ہوں
ابھی تو حوصلہ میرا جواں ہے

کبھی تو غور سے پڑھ لو اسے بھی
میری دیوانگی کی داستاں ہے

نشین ادھ جلاسا شاخِ گل پر
یہ میری زندگی کا ترجمہ ساں ہے

جو ہو گا حشر میں ہو گا وہ لیکن
ہماری زندگی بھی امتحاں ہے

نہ تو راہی نہ رہبر اور نہ رہنما
تجھے پھر کیوں تلاشِ کارواں ہے

سلیقہ جس کو جینے کا نہ آیا
پھر اُس کی زندگی یارِ گراں ہے

ترا دعویٰ کہ تو حق گو ہے نا صحابہ
زمانہ تجھ سے لیکن بدگماں ہے

بہت مشکل ہے یارو یہ سمجھنا
یہاں پر کون کس کا پاسباں ہے

وطن سے اڑ گئی سونے کی چڑیا
مگر اب بھی وطنِ جنتِ نشاں ہے

سمجھائی کیوں نہیں دیتی ہیں راہیں
ہماری زندگی صابردھواں ہے

تیرا وعدہ وفا نہیں ہوتا
مطلق دل مرا نہیں ہوتا

یاد تیری جدا نہیں ہوتی
درد نہ ہونے کو کیا نہیں ہوتا

کون رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ
چہرہ چہرہ چہرہ لکھا نہیں ہوتا

سب جدا ہو گئے ہیں اے صابر
اک ترا غم جدا نہیں ہوتا

مجھ سے مل پہلے سے مجھ کو جسان کر
پھٹیر میرے اہلدم مرا ارمان کر

تیرے یہ خاموشیاں تو ظلم ہیں
مجھ پہ میٹرے حال پہ احسان کر

حالِ دل میں نے سنایا آپ کو
اپنا مونس اپنا محسن جسان کر

یہ حسنائی ہاتھ خوشیں تو نہیں؟
میٹری مشکل کو ذرا آسان کر

شکل میں انسان کی شیطان ہیں
دستی کر دیکھ کر پھچان کر

تجھ سے ملنے پہنچے صابر شہسدر میں
ہر گلی کی خاک کو ہم چھان کر

دوستی، اُن کی مُلاقات سے آگے نہ بڑھی
چاندنی جیسے کسی رات سے آگے نہ بڑھی

کتنے پیچیدہ مسائل سے پریشان ہوئے
قوم فرسودہ روایات سے آگے نہ بڑھی

دین کو لوگ سیاست سے جُدا کرتے ہیں
فکر محدود خیالات سے آگے نہ بڑھی

دستِ اتناں نے بہت اُس کو بچایا لیکن
زندگی موت کے خطرات سے آگے نہ بڑھی

اب وہی قوم کی تقدیر بنے بیٹھے ہیں
رہبری جن کی فسادات سے آگے نہ بڑھی

زندگی کے لئے تدبیر بھی کرتا صابر
شاعری تیری مناجات سے آگے نہ بڑھی

لگے تھے لوگ فقط شور ہی مچانے میں
نہ آیا کام کوئی آگ کے بجھانے میں

سنا تو آنکھ کے آنسو نہ تھم سکے میرے
بلا کا درد بھٹا تھا ترے فسانے میں

کھلی نظر سے کبھی آپ دیکھے تو سہی
بہت سی خوابیاں مل جائیں گی روانے میں

کہ اُٹھ رہا ہے دھواں نفرتوں کا ہر جانب
یہ کس نے آگ لگا دی ہے آشیانے میں

نہ مٹ سکا ہے مگر ذہن و دل سے تیرا خیال
کئے ہیں لاکھ جتن تیرے غم بھلانے میں

نصیب اس کے تھی ایمان کی مفلسی صابر
ہر ایک چیز تھی قارون کے خزانے میں

کچھ ایسی آداؤں سے گلشن میں بہنؤں آئی
جیسے کوئی دوشیزہ لینے لگے انگڑائی

اُس جشنِ بہنؤں کی پھر یاد مجھے آئی
پھر میں نے سنی جیسے اک درد کی شہنائی

مہلت جو ملے تم کو، مجھ کو بھی بتا دینا
یہ ہنوش و خرد دالے کیوں ہو گئے سودائی

تسکینِ محبت بھی، توہینِ محبت ہے
بھونٹنے کی وفا آخر کب پھول کو اس آئی

اے بھولنے والے تو کمر یاد دہی و عسکرہ
جب ساتھ نبھانے کی تھی تو نے قسم کھائی

جب دل سے ترے غم کا رشتہ ہی نہیں کوئی
رودادِ الم سن کر کیوں آنکھ یہ بھٹائی

شاعر بھی، سخنور بھی، اب وہ ہیں زمانے میں
کرتے ہیں غزل میں جو بس قافیہ پیمائی

اس شہسدر میں کیوں ترا ہمدرد نہیں کوئی
کس موڑ پہ لے آئی صابر تجھے تنہائی

آن اپنی جگہ شان اپنی جگہ
ایک انسان کی پہچان اپنی جگہ

چاند سورج کی پہچان اپنی جگہ
ایک مومن کا ایمان اپنی جگہ

ساری دنیا کے احسان ہیں اک طرف
کملیٰ والے کے احسان اپنی جگہ

یوں زمیں پر تو اترے صحیفے بہت
سارے عالم میں قرآن اپنی جگہ

حق کی تلقین بہت سیوں نے کی ہے مگر
عرشِ اعظم کا فرمان اپنی جگہ

لاکھ دنیا میں طوفان آئے مگر
نوح کا تھا وہ طوفان اپنی جگہ

عیش و عشرت میں ہیں قوم کے راہبر
ملک و ملت کا بحران اپنی جگہ

دورخی شخصیت سامنے دیکھ کر
آئینہ بھی ہے حیران اپنی جگہ

کچھ تو حالات سے ہم بھی خاموش تھے
وہ بھی بیٹھے تھے انجان اپنی جگہ

آرزو کس کی دنیا میں پوری ہوئی
دل میں پلتے ہیں ارمان اپنی جگہ

خود کو چالاک صابر سمجھنے لگا
دورِ حاضر کا انسان اپنی جگہ

افسانہ نہیں ہے یہ کوئی تاج محل کا
یہ ذکر ہے میرا، میٹری محبوب غزل کا

میں نے سے لکھی اپنی حکایت یہ نفس میں
پاؤ گے نہیں عکس یہاں شیش محل کا

پینکر ہے کہ پانی میں نہاتا ہوا سوج
چہرہ ہے کہ کھلتا ہوا اک پھول کنول کا

تفصیل سے اُس سے کئی باتیں بھی ہوئی تھیں
پوچھنا نہ پتہ میں نے مگر شوخ سجل کا

صابر ہے نرم میں کیسی کہ مضمون نہیں آتے
ہو جائے غزل پوری تو کچھ ذہن ہو ہلکا

چمن سے، پھول سے، خوشبو سے، پیار کر دیکھو
 غمِ حیات کے گیسو ستار کر دیکھو

مہیب درد کے لمحے گزر رہی جائیں گے
 کسی کے آنے کا تم انتظار کر دیکھو

تمہارے نام سے تم کو کوئی پکارے گا
 کہ اُس حویلی میں خود کو پکار کر دیکھو

بنائی جاتی ہے منزل خود اعتمادی سے
 کہ نیک راہ ذرا اختیار کر دیکھو

تم اپنی ذات میں اک انقلاب پاؤ گے
 طوافِ کعبہ اگر ایک بار کر دیکھو

محاسبہ تو کرو اپنے آپ کا صابر
 کہ آ بجھنے میں خود کو اتار کر دیکھو

قسمت نے کیا مذاق کیا زندگی کے ساتھ
اک دل ہزار خواہشیں ہیں آدمی کے ساتھ

غم ساتھ ساتھ چلتا ہے اس زندگی کے ساتھ
جیسے چکور چاند کے، اور چاندنی کے ساتھ

کوئی کسی کے ساتھ ہے کوئی کسی کے ساتھ
بھونرے کے ساتھ پھول تو ٹہنی کلی کے ساتھ

اس بات پر ہی زہر کے پیالے ملے انھیں
وہ میکدے گئے تھے بڑی خوش دلی کے ساتھ

وہ حوصلے کہاں گئے، جرات کہاں گئی
ہم لوگ جی رہے ہیں بڑی بے دلی کے ساتھ

پیاسا دکھائی دیتا ہے خود بخیر بیکراں
اُمید باندھتے نہ بڑے آدمی کے ساتھ

حق کی صدا کے ساتھ ہی باطل سمٹ گیا
کب تیرگی کا ساتھ رہا روشنی کے ساتھ

صابر ہے اس صدی کی یہ سوغات کیا ہیں
اب آدمی کا ساتھ نہیں آدمی کے ساتھ

چمکے باطل کا ستارا مجھے منظور نہیں
ظلم دنیا کو ہو پیارا مجھے منظور نہیں

آنکھ روتی ہو جسے دیکھ کے دل روتا ہو
ایسے منظر کا نظارا مجھے منظور نہیں

بے حیائی کے سمندر میں ملا جاتا ہے
نئی تہذیب کا دھارا "مجھے منظور نہیں"

مجھ کو معلوم ہے پریش ہے وہاں ہر لہری کی
عیش و عشرت میں گزارا مجھے منظور نہیں

کشتی عزمِ سفر آ کے جہاں رک جاتے
دوستو ایسا کنارہ مجھے منظور نہیں

ڈوب جاتی ہے تو ڈوبے میری کشتی لیکن
کوئی کم ظرف سہارا مجھے منظور نہیں

کیوں زندگی کو غم میں ڈبونے لگے ہیں ہم
یہ کس کے حالِ زار پہ رونے لگے ہیں ہم

زخموں کے پھول چُن کے پر دنے لگے ہیں ہم
کیا ہو گیا کہ خود کو ہی کھونے لگے ہیں ہم

غفلت کی نیند جب سے کہ سونے لگے ہیں ہم
اپنا وقارِ زندگی کھونے لگے ہیں ہم

امن و اماں کی فصل پمں میں اُگائیں گے
ہر و وفا کے بیج جو بونے لگے ہیں ہم

دَاغِ جگر تو اشکِ ندامت نہ دھو سکے
دامنِ غمِ حیات کا دھونے لگے ہیں ہم

صابر یہ معجزہ نہیں معراجِ عشق ہے
اُن کو لگی ہے چوٹ تو رونے لگے ہیں ہم

سوئے گلشن میں دبے پاؤں ہے آتی خوشبو
پتے پتے میں مہک اپنی جگہ آتی خوشبو

کوئی مسجد ہو، کوئی دیر یا بت خانہ ہو
اپنا کردار ہے خوبی سے نبھاتی خوشبو

دیکھتا جب ہوں کتابوں میں رکھے پھولوں کو
گزرے لمحوں کی حسین یاد دلاتی خوشبو

کوئی زنجیر اسے قید نہیں کر سکتی
پھیل جائے تو کہاں ہاتھ ہے آتی خوشبو

اُس کو اپنے سے پرانے سے نہیں کوئی غرض
دہر میں چار سو تفریق مٹاتی خوشبو

اپنے ہمراہ لئے دستِ صبا جاتا ہے
لوٹ کر پھول میں واپس نہیں آتی خوشبو

اُس کے آنے سے مہک جاتا ہے صابر یہ چین
اپنے ہونے کا ہے احساس دلاتی خوشبو

وطن کی آبرو کو وہ ذلیل و خوار کر دیں گے
کہ رسوا آدمیت کو سربازار کر دیں گے

تشد و قتل ہنگامے تو ہم سے ہو نہیں سکتے
یہ سارا کام اپنے دشمن کے غدار کریں گے

ہمیں مشکوک نظروں سے دیکھو گلستاں والو
زمین کو خونِ دل سے ہم گل و گلزار کر دیں گے

زمانہ چاہے جتنی بھی لگالے ہم یہ پابندی
کھلے لفظوں میں اپنے پیار کا اظہار کر دیں گے

نہ سمجھو ناتواں اتنا انہیں دار و رسن والو
سہیں گے ظلم اک حد تک پلٹ کر وار کر دیں گے

پیرانا واسطہ ہے میرا ان ماضی کی گلیوں سے
سبھی یادوں کو تازہ یہ درو دیوار کر دیں گے

جو تیرا ساتھ دیگا یہ جنونِ شوق اے صابر
یہی طوقاںِ غلام تیرا بیڑا پار کر دیں گے

وہ امن کی کرتے تو ہیں تقڑیر ہمیشہ
ہاتھوں میں لئے پھرتے ہیں شمشیر ہمیشہ

تدبیر ہی کام آئی نہ تقدیر ہمیشہ
اُلٹی ہی رہی خواب کی تعبیر ہمیشہ

قائم نہ رہے گی کوئی زنجیر ہمیشہ
رہ جائے گا بس عدل جہانگیر ہمیشہ

تجھ سے تو کوئی ربط و تعلق نہیں میرا
رہتی ہے نظر میں تری تصویر ہمیشہ

اخبار میں آتا رہے یہ اسم مبارک
مِلتی رہے اس نام کو تشہید ہمیشہ

صابر ہی اسبابِ سخن ساتھ رہے گا
رہ جائے گی باقی یہی جِسا گیر ہمیشہ

ہر چہند ہم پہ دہر کے ظلم و ستم رہے
کچھ ان سے بھی سوا ترے یارب کرم رہے

عزم و عمل سے ہم نے سنواری ہے زندگی
پھر بھی رہ حیات میں کچھ پیچ و خم رہے

مثل حسین ہم بھی رہ حق پہ جان دیں
ہو جائیں یوں شہید کہ قاتل کو غم رہے

جتنے جبری تھے پی گئے تلخا بہ حیات
ہاتھوں میں بندلوں کے کہاں جام جم رہے

قارون کے خزانے سبھی ختم ہو گئے
باقی یہ تخت و تاج نہ جاہ و حشم رہے

رکنے نہ پایا اپنا یہ تخلیق کا سفر
کاغذ رہے نہ ہاتھ میں اپنے قلم رہے

کیا بات تھی اُفق پہ دکھنا تھا آفتاب
صابر کرن کرن سے بھی محروم ہم رہے

گردشِ وقت کا بازار مرے سامنے ہے
اتنے زمانے تیری رفتار مرے سامنے ہے

دورِ حاضر کا یہ معمار مرے سامنے ہے
میری اس قوم کا کردار مرے سامنے ہے

کل جو خبریں تھیں چھپی ہیں وہی خبریں اب بھی
آج کا تازہ یہ اخبار مرے سامنے ہے

حسنِ اخلاق سے اپنے میں گرا دوں گا اُسے
تیرے نفرت کی جو دیوار مرے سامنے ہے

اس سے کیا حرفِ شکایت میں کروں گا صابر
میرا محسن مرا غم خواہ مرے سامنے ہے

ماتھے پہ وقت کے ہے شکن کچھ تو سوچتے
کیوں ہو رہی ہے دل میں چھین کچھ تو سوچتے

پہنو گے ایک روز کفن کچھ تو سوچتے
کھا جائے گی زمیں یہ بدن کچھ تو سوچتے

جنت کی نعمتوں کو فراموش کر کے ہم
ہیں لذتِ جہاں میں مگن کچھ تو سوچتے

کس نے لگائی آگ یہ نفرت کی چار سو
کیوں جل رہا ہے اپنا جمن کچھ تو سوچتے

کیا مقصدِ حیات ہے، کیا مقصدِ وجود
کیوں سوچتا نہیں ہے یہ من کچھ تو سوچتے

عقبیٰ کا کچھ خیال بھی صابر نہیں رہا
طاری ہے ہم پہ کسی تھکن کچھ تو سوچتے

شیخ جی کی شخصیت تھی جسانی پہجانی ہوئی
دیکھ کر کل میسکدے میں ہم کو حیرانی ہوئی

پستی انسانیت کو دیکھ کر دل جل اٹھا
آگ جب سینے میں پہنچی شرم سے پانی ہوئی

زندگی کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر
اپنے قول و فعل پر ہم کو پشیمانی ہوئی

زندگی کے دشت میں کیا کیا اُجالے گم ہوئے
درد کی آندھی چلی اور رات طوفانی ہوئی

تجربوں سے علم، اچھے اور بُرے کا ہو گیا
اور ذہنوں کے سمجھنے میں بھی آسانی ہوئی

اپنے مقصد میں بظاہر ہو گئے وہ کامیاب
ویسے من مانی میں صابر اُن کی نادانی ہوئی

جانے کون کہتا ہے وہ یہاں نہیں ملتا
ڈھونڈیے ذرا اُس کو وہ کہاں نہیں ملتا

نام جس کا قدرت ہے یہ بھی اُس کی حکمت ہے
اک حقیر ذرہ بھی رائیگاں نہیں ملتا

ڈھونڈتے ہی پھرتے ہیں مدتوں سے ہم تنہا
منزلوں پہ بچھڑا تھا کارواں نہیں ملتا

آدمی تو ملتے ہیں شہر کے جھیلے میں
اور آدمیت کا کچھ نشان نہیں ملتا

ضد ہے میرے بچے کی چاند تار لاؤں میں
ہاتھ کے اٹھانے سے آسماں نہیں ملتا

یہ ستم ظریفی ہے اپنے وقت کی صابر
ہم نشیں تو ملتے ہیں ہم زباں نہیں ملتا

تیسری ظلم کی دنیا سے مٹانے والے
پرچمِ حق ہیں ہمیں لوگ اٹھانے والے

ہم ارادوں کو ہمیشہ ہی جواں رکھتے ہیں
یہ سمجھ لیں ہمیں رستے سے ہٹانے والے

کیسے نادان ہیں سورج کو دکھاتے ہیں چراغ
آگ سے کھیلتے ہیں برف گھرانے والے

خود ہی آجائیں گے طوفان کی زد میں اک دن
کیوں نہیں سوچتے طوفان اٹھانے والے

اس گرج سے کبھی بارش نہیں ہونے والی
یہ تو بادل ہیں فقط شور مچانے والے

ہم نے پتھر سے بھی پھولوں کو اکایا صابر
ہم ہیں انسان کو انسان بنانے والے

مزاجِ وقت ہمیں سازگار کرنا ہے
یہ کام وہ ہے جسے بار بار کرنا ہے

جفا کے بدلے وقایہ نہیں سکھانی ہیں
یہی اصول ہمیں اختیار کرنا ہے

تم اپنے خود پہ ذرا اعتماد بھی کر لو
ہماری بات کا اگر اعتبار کرنا ہے

فریب و مکر کے ہر داؤ کو اُلٹے ہوئے
شکاریوں کا ہمیں بھی شکار کرنا ہے

میں اپنی عمر کی کشتی کا خود کھویا ہوں
مجھے ہی کالے سمت در کو پار کرنا ہے

جو لوگ سوئے ہیں غفلت کی تیندائے صابر
ہمارا کام انھیں ہوشیار کرنا ہے

اُس صدی میں خطرہ تھا، اس صدی سے خطرہ ہے
زندگی کو ہر لمحہ، ہر گھنٹہ سے خطرہ ہے

نفرتیں، تعصب، شر، قتل عام، خون ریزی
آدمی کو اپنی ہی کج روی سے خطرہ ہے

دشمن خرد ہو گا وہ جو یوں سمجھتا ہے
تیرگی محافظہ ہے، روشنی سے خطرہ ہے

کیا سایہ بختی ہے، کس قدر یہ لپستی ہے
آدمی کو دنیا میں آدمی سے خطرہ ہے

اُن سے مل کے یہ خود بھی ہو رہا ہے آلودہ
آج کل سمندر کو ہر ندی سے خطرہ ہے

قوم کی تباہی کا ہو چکا یقیں ہم کو
رہبرانِ ملت کی رہبری سے خطرہ ہے

ناخداؤں ساحل پر کشتیوں کو لے آؤ
سراٹھاتی موجوں کی سرکشی سے خطرہ ہے

میٹرے گھر اگر آنا چاند بن کے مت آنا
مجھ کو اپنے ماضی کی چاندنی سے خطرہ ہے

چاہتیں کہیں صابر کھل نہ جائیں غیروں پر
ہم کو اپنی تنگدردی کی مخبری سے خطرہ ہے

نغمہ ہے، ساز ہے، نہ گل نو بہار ہے
رت خوش گوار ہے، نہ فضا سازگار ہے

یارب یہ کیسی گردشِ لیل و نہار ہے
ہر فرد مبتلا تے غمِ روزگار ہے

دل بے قرار ہے مرادِ لبے قرار ہے
اب آنکھی جا کہ مجھ کو ترا انتظار ہے

اک آشیاں جلا تو کئی آشیاں بنے
قادر ہر ایک چیز پہ پروردگار ہے

اب میکدہ میں تیرے رہوں یا نہیں رہوں
ساقی تیری پسند ترا اختیار ہے

عشاق میں تمہارے صابر کا نام بھی
اس کیلئے یہ باعثِ صدا افتخار ہے

ہم تری راہ میں مٹنے کی لگن رکھتے ہیں
اپنی نظر دلوں میں فقط دار و رسن رکھتے ہیں

لوگ کیوں ایسا روا اپنا چلن رکھتے ہیں
بُغض سینے میں رنگاہوں میں جُھپھن رکھتے ہیں

ایسے افراد سے اللہ بچائے سب کو
روح شیطان کی انساں کا بدن رکھتے ہیں

دوڑ میں اپنی بہت پیچھے وہ رہ جاتے ہیں
وہ جو ذہنوں میں ہمیشہ ہی تھکن رکھتے ہیں

موت کیا ہم کو ڈرا پائے گی صابر کہ سدا
سر سے باندھے ہوئے ہم لوگ کفن رکھتے ہیں

اُڑ گیا ہے رنگ کس لئے
آئینے سے جنگ کس لئے

دل ہوا ہے تنگ کس لئے
لگ گیا ہے رنگ کس لئے

بات یہ سمجھ سکے نہ ہم
بھائیوں میں جنگ کس لئے

سانس کی جو ڈور ہی نہ ہو
جسم کی پتنگ کس لئے

فرض تو ادا نہ کر سکا
حرفِ عذرِ رنگ کس لئے

چار دن کی زندگی تو ہے
رنگ اور ترنگ کس لئے

حسین، خوبصورت، بہانے بہت ہیں
غم زندگی کے قاتل بہت ہیں

تشدد، تنقید، تبدل، تعصب
تبہا ہی کے یہ کارخانے بہت ہیں

سویرا صباحت کا ڈیرہ اٹھالے
میری شام کے شامیانے بہت ہیں

جلا کر نشیمن مرا خوش نہ ہونا
چمن میں ابھی آشیانے بہت ہیں

یہیں سے گزرتا ہے افلاسِ عالم
اسی راستے میں خزانے بہت ہیں

مسترت کہاں آج کی زندگی میں
بہانے کو آنسو، بہانے بہت ہیں

رفیقوں کا جھگھٹ وہاں پر ہے صابر
ٹھہر جاؤں گا میں ٹھکانے بہت ہیں

ایسی نسبت ہے گل سے شبہم کو
زخم سے جیسے ربطِ مہم کو

زندگی تیج و خم میں اُلجھی ہے
کیسے سلجھائیں زلفِ برہم کو

آدمیت ہی اپنی کھو بیٹھا
کیا ہوا آج ابنِ آدم کو

حق و باطل میں فرق کیا کچھ ہے
کوئی سمجھائے میرے ہمدم کو

شکر ترا کبھی بجا لاتے
اتنی فرصت ملی نہیں ہم کو

غم کا احساس اُن کو ہوتا ہے
جو سمجھتے ہیں عظمتِ غم کو

آنسوؤں سے تم اپنے اتے صابر
کیا بجھاؤ گے آتشِ غم کو

میری حیات مجھ کو یہ اعجاز دے گئی
ہاتھوں میں میرے بچتا ہوا ساز دے گئی

تیری حسین یاد بھی تجھ سے تو کم نہ تھی
میرے شعور و فکر کو پروا زدے گئی

صحبت تمہارے پیار کی کیا کچھ سکھا گئی
احوالِ غم سنانے کا انداز دے گئی

احسان مجھ پہ ہے مری اُردو زبان کا
جلینے کے واسطے مجھے اک کا زوے گئی

صابر خوشی ملے جو وہ اوروں میں بانٹتا
وہ جاتے جاتے جلینے کا انداز دے گئی

آدمی ٹھوکر سی کھاتا ہے سنبھل جاتا ہے
اس طرح جینے کا انداز بدل جاتا ہے

اُس کے آنے کی پھر اُمید کہاں رہتی ہے
زندگی سے کوئی لمحہ جو نکل جاتا ہے

میری نظروں سے میرے دل میں سمانے والے
دل تجھے دیکھ کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے

اس کے تیور کو بھلا کون سمجھ پائے گا
اس کا لہجہ تو ہر اک پل میں بدل جاتا ہے

مری حق گوئی بہت تلخ بیاں رکھتی ہے
میرا لہجہ میرے احباب کو تھل جاتا ہے

موم کی طرح یہاں عمر کا اک اک لمحہ
وقت کی تیز نمازت سے بگھل جاتا ہے

آگ ہو جاتی ہے گلزار جو ہو فضلِ خدا
وہ جو چاہے تو بُرا وقت بھی ٹل جاتا ہے

نام و نمود کے لئے کردارِ بک گئے
شاعرِ بکے، ادیب و قلم کارِ بک گئے

اس دورِ انحطاط کا عالم نہ پوچھتے
میٹھی کے مول ہیروں کے اتبارِ بک گئے

بلوا، فساد، خون، تشدد کی دوڑ میں
لمحوں میں کالی صبح کے اتبارِ بک گئے

اب تو وفا، خلوص کا نام و نشان نہیں
بکتے تھے یہ جہاں وہی بازارِ بک گئے

اسلاف کی نشانی تھا اک گھڑا جڑ گیا
جو بچ گئے تھے وہ درو دیوارِ بک گئے

گم نام ہم تھے اس لئے صابر بچے رہے
شہرت کی بھیڑ میں کتنی فنکارِ بک گئے

گامزن میں رہا راہ پر
پیرِ خطرِ تھقی مری ہر ڈگر

کوئی رہ زن نہ تھا راہ پر
عندم محکم رہا ہم سفر

ہو بُرائی سے کیسے مفر
ساتھ شر کے بنا ہے بشر

راہ اُلفت کی ہے پیرِ خطر
پاؤں رکھنا ذرا دیکھ کر

حسنِ فانی ہے مٹ جائیگا
خوش نہ ہو آئینہ دیکھ کر

کیوں نہ نکھرے غزل کا بن
دے رہا ہوں میں خونِ جگر

دل کو ملول، آنکھوں کو نم دیدہ کر دیا
مجھ کو خیالِ یار نے رنجیدہ کر دیا

عہدِ غمِ فراق بھلایا نہ جاسکا
غم اس قدر ملے مجھے سنجیدہ کر دیا

اتنا مجھے سمجھی نے پڑھلے ورقِ ورق
ساری کتابِ زلیت کو بوسیدہ کر دیا

کوئی بھی مری اُجھنیں سلجھانہ پائے گا
اُس نے مری حیات کو پیچیدہ کر دیا

صابر عجیب بات تھی اُس کے وجود کی
بچھڑا تو سارے شہر کو نم دیدہ کر دیا

ہم لوگ کہ تقدیر یہ رویا نہیں کرتے!
ہاتھوں کی لکیروں میں ہی کھویا نہیں کرتے!

جو فصل اگاتے ہیں محبت کی ہمیشہ
نفرت کا کوئی بیج وہ بویا نہیں کرتے!

رہتی ہے نظر جن کی زمانے کی روش پر
آرام سے بستریہ وہ سویا نہیں کرتے!

ساحل سے ہی کرتے ہیں جو طوفان کا نظارہ
وہ ڈوبنے والوں پہ بھی رویا نہیں کرتے!

پھولوں کو بناتے ہیں سبھی ہار گلے کا
کانٹے کبھی دھاگوں میں پرویا نہیں کرتے!

احباب کے زخموں کو چھپا لیتے ہیں دل میں
ہم بیج شکایات کے بویا نہیں کرتے!

ظالم یہ کیا ملا تجھے سب توڑتاڑ کے
امن و امان شہر کا میرے بگاڑ کے

پورا خلوص کا میں لگا کر تھا مطمئن
یہ کون خوش ہوا میرا گلشن اجاڑ کے

اپنی بساطِ ذات کو وہ جان جائے گا
اک دن تو اونٹ آئے گا نیچے پہاڑ کے

شہرت کی بھیک مانگتے پھرتے ہیں آج لوگ
اس شہرِ سادہ لوح کا چہرہ بگاڑ کے

وہ شخص کا میاں ہے صابر جہان میں
رکھا ہے جس نے اپنی انا کو پچھاڑ کے

کوئی عنوان دو فسانے کو
راہ مل جائے گی زمانے کو

ہر قدم پر ہے حادثوں کا نزول
لوگ ڈرتے ہیں مسکرانے کو

ساتھ دشمن کے دوست بھی خوش تھے
جب لگی آگ آشیانے کو

اُگیا وہ فساد کی زد میں
شہر آیا تھا وہ کمانے کو

مل گئی مجھ کو دولت ایماں
کیا کروں گا کسی خزانے کو

اُن کا آنا بھی اک قیامت ہے
آگ لگ جاتے ایسے آنے کو

خود کے چہرے کا جن کو ہوش نہیں
وہ چلے آئینہ دکھانے کو

تو نہ جو کر سکے وہ کام نہ لے
اپنے ہاتھوں میں انتظام نہ لے

اُس کو ساقی نہیں کہا جائے
گم کرنے والے کو گزر وہ نہام نہ لے

ہے تقاضہ اٹھالے تیغ و تبر
ہاتھ میں تو صراحی جام نہ لے

عشقِ قسربانیاں تو مانگے گا
عشق میں حوصلوں کا دام نہ لے

اپنے جلوؤں سے مجھ کو بیخود کر
ہوش لے لے مگر تمام نہ لے

تیرے تنقید کے تو برسیں گے
بردباری سے گر تو کام نہ لے

حسنِ کردار ساتھ رکھ صابر
ہاتھ میں تیغِ بے نیام نہ لے

رنگین تیرے لہجے کو ہم نام غزل دیں گے
لفظوں کا بنا کر ہم اک تاج محل دیں گے

دنیا تری صورت کی رنگت ہی بدلیں گے
ان سارے مسائل کا حق والے ہی حل دیں گے

تخریب کی باتوں سے باز آؤ تو بہت سہ
تعمیر کے متوالے باطل کو کچل دیں گے

یہ خار میں نفرت کے گلشن سے ہٹا کر ہم
ہاتھوں میں سمجھی کے پھر الفت کے کنول دیں گے

ظالم کو تادیکھے کم زور نہیں ہیں ہم
گر جاگ اٹھیں گے تو جب چاہے مسل دیں گے

یہ ناگ میں زہریلے کیوں دودھ پلاتے ہو
کچھ کہہ نہیں سکتے کب یہ زہرا گل دیں گے

صابر یہ حقیقت ہے فطرت کا تقاضہ بھی
جن پیروں میں پھولائیں وہ پیڑ ہی پھل دیں گے

رات ایسے بھی مجھ کو خواب آئے
سوکھی ڈالی پہ بھی گلاب آئے

اُن کے جلوؤں کی تاب کیا لاتے
وہ جو آئے تو بے نقاب آئے

یاد آیا کھلا کھلا چہرہ
شاخ پر جب کبھی گلاب آئے

داستِاں سب بکھر دیتے ہیں
ہاتھ پھول کے جب کتاب آئے

زندگی مانا چار دن کی ہے
چار دن کا بھی تو حساب آئے

تو نہ ناحق زمیں پہ بہتا ہے
آسمانوں سے پھر عذاب آئے

وہ چاندنی وہ چاند کے ہالے نہیں رہے
افسوسِ زندگی میں اُجالے نہیں رہے

ہے کس کو یاد اب انا الحق کی داستاں
دار و رسن کے چاہنے والے نہیں رہے

تاریکیوں میں جھوٹ کی گم ہو گیا جہاں
سچائیوں کے آہ اُجالے نہیں رہے

ہر عہدِ انقلاب کے بانی رہے ہیں ہم
پھر کیوں نصاب میں یہ حوالے نہیں رہے

ساحل پہ آ کے اپنے سفینے جلا دیئے
ہم میں مگر وہ موت کے پالے نہیں رہے

میلادِ مصطفیٰؐ کا فقط جشن رہ گیا
لیکن نبیؐ کے چاہنے والے نہیں رہے

صابر وہ حادثہ بھی مسافت کا تھا عجب
”منزل ملی تو پاؤں کے چھالے نہیں رہے“

شمع سینے میں وفاؤں کی جلاتے رہیے
تیسرگی ظلم کی دنیا سے مٹاتے رہیے

زندگی نکھرے گی اخلاق سنور جائیں گے
اپنے دامن کو گناہوں سے بچاتے رہیے

سربلندی کی تمنا ہی اگر ہو مقصود
دین کی راہ میں سراپنا کٹاتے رہیے

جا بجا راہ میں شیطان بھی ساتھ آتا ہے
جو بھی گرتا ہوا سے بڑھ کے اٹھاتے رہیے

اُن کا جو کام ہے وہ کرتے رہیں گے صابر
آپ پیغامِ محبت ہی سناتے رہیے

اقرار کرے ہے کبھی انکار کرے ہے
ہر دن یہ تماشہ مراد لدا کرے ہے

کیا ہو گیا کیوں جرم کا اقرار کرے ہے
قاتل بھی پشیمانی کا اظہار کرے ہے

اچھایا برا جو کرے کردار کرے ہے
انسان کو انسان کا معیار کرے ہے

خاطر میں نہیں لاتا جو امواج مصائب
اس عمر کے دریا کو دہی پار کرے ہے

اک ساتھ ہی رہتے تھے کبھی مل کے دو بھائی
اظہار ترے صحن کی دیوار کرے ہے

رشتوں میں بھی دنیا کی ہوس بڑھ گئی صابر
اک بھائی بھی بھائی پہ یہاں دار کرے ہے

دریا کے تموج سے گزر کر تو ذرا دیکھ
سورج کی طرح تو بھی اُبھر کر تو ذرا دیکھ

کیا جال شکاری نے بچھائے ہیں زمیں پر
پریت سے تکتے کے اُتر کر تو ذرا دیکھ

چرچے ترے اوصاف کے بھی ہونے لگیں گے
خوشبو کی طرح خود میں بکھر کر تو ذرا دیکھ

دنیا میں کسی کا بھی رہے گا نہ تجھے ڈر
اللہ کی اک ذات سے ڈر کر تو ذرا دیکھ

احساسِ پشیمانی بھی بن جاتا ہے اک بوجھ
محبوب کے وعدے سے مکر کر تو ذرا دیکھ

جو گھاؤ تھے تلوار کے سب بھر گئے صابر
اب زخمِ یہ احباب کے بھر کر تو ذرا دیکھ

یہ منفی آج کیسا گوارہا ہے
کلیجہ میرے منہ کو آ رہا ہے

پتنگا شمع کی آتش میں جل کر
سزا جرم وفا کی پا رہا ہے

چمن میں فصلِ گل کیا آرہی ہے
زباں پر نامِ تیرا آ رہا ہے

وہی میں ہوں زمیں بھی آسماں بھی
زمانہ ہے کہ بدلا جا رہا ہے

چمن کو اُس نے سینچا خونِ دل سے
چمن سے وہ نکالا جا رہا ہے

میرے آنے تلک تم ٹھہر جانا
میں آؤں گا مرا وعدہ رہا ہے

نہ جانے تشنگی کیسی تھی صابر
سمندر پی کے بھی پیاسا رہا ہے

اشکِ مظلوم کی آنکھوں سے جو ڈھل جائیں گے
خشک دریا بھی سمندر میں بدل جائیں گے

اپنی تقدیر پہ رونے سے بھلا کب حاصل
خود جو بدلو تو زمانے بھی بدل جائیں گے

تجربہ ہو گا وہ گرتے ہیں اگر گرنے دیں
گرنے والے ہی تو اک روز سنہل جائیں گے

موم کے جسم لئے گھر سے نکلتے کیوں ہو
دھوپ کی تیز تمازت سے لکھل جائیں گے

میرے نغموں میں چھپے درد کو سن کر صابر
آدمی کیا ہے، کہ پتھر بھی لکھل جائیں گے

گمرتے ہیں سنبھلتے ہیں حادثوں میں پلتے ہیں
منزلوں کے متوالے اپنی راہ چلتے ہیں

ہم کہ اپنی پلکوں سے خار تک اٹھاتے ہیں
آپ ہیں کہ پھولوں کو پاؤں سے مسلتے ہیں

لوٹ کر نہیں آتا جب یہ وقت جاتا ہے
وقت کے شناسا کب اپنے ہاتھ ملتے ہیں

رہنمائے ملت ہوں، یا ہوں قوم کے رہبر
وقت کی ہواؤں پر اپنا رخ بدلتے ہیں

یہ صفت بھی مومن کی کس قدر انوکھی ہے
آگ سا بھڑکتے ہیں، موم سا پگھلتے ہیں

میرا نام صابر ہے میرا نام مسنتے ہی
حادثے بھی گھبرا کر اپنا رخ بدلتے ہیں

سیم و زر چاہے نہ موتی نہ خزانہ چاہے
بھوک چڑیا کی فقط چوچ میں دانہ چاہے

مرا ہر لفظ، وفا اُس کو سیکھانا چاہے
اُس کا لہجہ تو مگر دل کو دکھانا چاہے

جو بھی آئے وہی روداد سنانا چاہے
اور گونگا بھی یہاں شور مچانا چاہے

یاد گزرے ہوئے لمحوں کی سکون دیتی ہے
عہدِ ماضی کو کوئی کیسے بھلانا چاہے

وہ کبھی گردشِ ایام کا شکوہ نہ کرے
غمِ دوراں کو جو سینے سے لگانا چاہے

آئے نظروں میں تو پھر دل میں سما بھی جائے
دل کی محفل میں جو طوفان اٹھانا چاہے

تیرگی کیا ہے پتہ اُس کو نہیں ہے صابر
جو کہ محفل کے چہرہ انہوں کو بھجانا چاہے

چہرے کے پیچھے اک نیا چہرہ دکھائی دے
جو شخص بھی ملے وہ تماشا دکھائی دے

حسنِ نظر پہ اُس کے توقُّرِ بانِ جانیے
تاریکیوں میں جس کو اُجالا دکھائی دے

قول و عمل میں اُس کے بلا کا تضاد ہے
کردار اُس کا دوست و دہرا دکھائی دے

یہ بیسویں صدی میں عجب معجزہ ہوا
قاتل جو شہنشاہ میں ہے سیما دکھائی دے

یہ کیا کمال ہے ترے حسن و جمال کا
جو رنگ تو پہن لے وہ گہڑا دکھائی دے

دل کیا آئینہ ہے پڑے اُس پہ جب نظر
ہر وقت مجھ کو تیرا ہی چہرہ دکھائی دے

اپنی نظر سے خود کو بھی دیکھنا نہ جاسکا
تیری نظر سے دیکھوں تو دنیا دکھائی دے

صابر جو زندگی کے اصولوں سے ہٹ گیا
اُس کو یہ زیست آگ کا دریا دکھائی دے

جَب بھی قلم سنبھالوں تو کاغذ دھرا رہے
اور اُس پہ صرف نام ترا ہی لکھا رہے

ہمراہ اُس کی یاد کا گھر قافلہ رہے
راہِ وفا میں پھر نہ کوئی حادثہ رہے

منزلِ سمٹ کے آئے گی قدموں میں خود بخود
ہمراہ تیرے تیرا اگر حوصلہ رہے

مِل کر ہر اک درخت سے کہتی رہی ہوا
بارِ شمر سنبھالنا ہو، تو جھکا رہے

ملتے رہو گے تم تو رہیں گی نہ رنجشیں
اب دوستی کا اپنی یہی سلسلہ رہے

گر تم نہ آؤ گے تو کوئی بھی نہ آئے گا
ممکن نہیں کہ دل میں کوئی دوسرا رہے

صابر نہ اتنا ٹوٹ کے سب سے ملا کرو
ربط و تعلقات میں کچھ فاصلہ رہے

حُسن کا تذکرہ کرنے کا مجھے شوق نہیں
عشق کے روگ میں مرنے کا مجھے شوق نہیں

سیر کرتا ہوں مسرت کے چمن زاروں میں سے
غم کے دلدل میں اترنے کا مجھے شوق نہیں

چھاؤں جس پیڑ کی منزل کو بھلا دیتی ہے
اس کے سایہ میں ٹھہرنے کا مجھے شوق نہیں

ہر قدم موت کے سائے جہاں لہراتے ہوں
ایسی راہوں سے گزرنے کا مجھے شوق نہیں

اب وہ پہلے کی طرح چاہنے والے نہ رہے
آئینے اب تو سنورنے کا مجھے شوق نہیں

جَب بھی دنیا یہ حقیقت سے مُکڑ جائے گی
خود فریبی کے سمتِ در میں اتر جائے گی

میری آنکھوں سے مرے دل میں اُتر جائے گی
تیری صورت جو خیالوں میں ابھر جائے گی

جتنا سلجھاؤ گے اتنی ہی اُلجھ سکتی ہے
زندگی زلف نہیں ہے جو سنور جائے گی

جس کے سینے میں سدا مکڑِ حسد رہتا ہے
شخصیت اُسکی اندھیروں میں بکھر جائے گی

عینِ جوتی ہی فقط جس کا ہے شیوا صابر
خود کے عیبوں پہ کہاں اُسکی نظر جائے گی

تلخ حالات کی یہ دھار رہے گی کب تک
حق و باطل میں یہ تکرار رہے گی کب تک

راہ منزل کی یہ دشوار رہے گی کب تک
زندگانی یوں ہی آزار رہے گی کب تک

اُٹھ کہ اب کچھ تو علاجِ غمِ دوراں کر لے
اے مری قوم تو بیمار رہے گی کب تک

رنگ لائے گا زمانے میں شہیدوں کا لہو
ظلم کے ہاتھ میں تلوار رہے گی کب تک

کیوں مساوات کے رستے میں کھڑی ہے ارچن
اوپر اور نیچ کی دیوار رہے گی کب تک

ایک اک کر کے مرا ساتھ کبھی چھوڑ گئے
زندگی تو مری غم خوار رہے گی کب تک

دورِ نور مانگے ہے اب عزم و عمل آصابر
قومِ راحت کی طلبگار رہے گی کب تک

چاہے ادھر سے دیکھو چاہے اُدھر سے دیکھو
اچھی لگے گی دنیا اس کو بدھر سے دیکھو

حُسنِ نظر سلامت پت جھڑ بھی پرکشش ہے
ہر شے کو جب بھی دیکھو اچھی نظر سے دیکھو

یہ سچ ہے ساری دنیا فانی ہے ہونے والی
ہے ذاتِ پاک باقی دل کی نظر سے دیکھو

فصلیں نہ کوئی آکر راتوں میں کاٹ جائے
کھیتوں کو اپنے اپنے اونچے شجر سے دیکھو

صابر برائیوں کو دنیا سے ہے مٹانا
لیکن یہ کام پہلے اپنے ہی گھر سے دیکھو

جَب بھی بھولے سے تری یاد ہمیں آتی ہے
زندگی درد کے صحرا میں بھٹک جاتی ہے

درد کی ہو وہ گھٹڑی یا کہ مسرت کا سماں
لحہ لمحہ تیری آواز ہمیں آتی ہے

یاد آتا ہے ہمیں وعدہ فُردا تیرا
اور ترے وعدہ فُردا پہ منسی آتی ہے

یوں ترے خواب اُتر آتے ہیں پلکوں میں مری
چاندنی جیسے کہ صُحرا میں اُتر آتی ہے

تیز ہے وقت کی رفتار بہت اے صابر
دیکھتے دیکھتے ہی عُمُر گزر جاتی ہے

منظور مجھ کو ہے میٹری رسوائی دوستو
تم بن نہ کٹ سکے گی یہ تنہائی دوستو

اک پل بھی مجھ کو نیت نہ ہیں آئی دوستو
بے چین اُن کی کر گئیے انگڑائی دوستو

وہ جب سے بن گئے ہیں تماشاائی دوستو
اہل خسرو کی گم ہوئی دانائی دوستو

بھیکا ہوا وہ چہرہ تصویر میں آگیا
لے آئی اُس کی یاد یہ پروائی دوستو

اس اجنبی سے شہر میں کیسے بسر کروں
میری نہیں کسی سے شناسائی دوستو

اب کس طرف بڑھاؤں قدم کشمکش میں ہوں
آگے کنواں ہے پیچھے مرے کھائی دوستو

ٹوٹا ہوا ہے سارے ہی رشتوں سے واسطہ
کرتا ہے وار بھائی پہ اب بھائی دوستو

صابر سے مل کے دیکھو کہ شہرِ مفاہ میں
وہ ہے خلوصِ دل کا تمتائی دوستو

پھر وہی خواب، خیالات کہاں سے لاؤں
اپنے بیٹے ہوئے لمحات کہاں سے لاؤں

ہم نے کھائی تھی کبھی ساتھ نبھانے کی قسم
وہ محبت بھرے لمحات کہاں سے لاؤں

آگینے کی طُرح توڑ دیا دل میسُرا
اپنے بکھرے ہوئے جذبات کہاں سے لاؤں

زندگی کے جو اُجالے مجھے حاصل نہ ہوئے
ان کی میں تاروں بھری رات کہاں سے لاؤں

اب تو ممکن ہی نہیں لوٹ کے آنا اُن کا
اپنے بچپن کی حکایات کہاں سے لاؤں

پھر وہی رات وہی عالم تنہائی ہے
اپنی وہ پہلی ملاقات کہاں سے لاؤں

اک نئے موڑ پہ پھر مل گیا مجھ سے صابر
میں مگر بھولی حکایات کہاں سے لاؤں

دُنیا ترے لئے مَیں سب سے پہلے چھوڑ جاؤں گا
سورج کی طرح اپنی شفق چھوڑ جاؤں گا

چہرے سبھی کے بزم میں فق چھوڑ جاؤں گا
جاؤں گا میں تو اپنی رفق چھوڑ جاؤں گا

اپنی کتابِ زیست لئے جاؤں گا مگر
تیرے لئے میں ایک ورق چھوڑ جاؤں گا

میری وفا کا تجھ کو یقین آئے گا تبھی
مستی پہ جب میں دل کی رفق چھوڑ جاؤں گا

خوشبو کی طرح آؤں گا چھونے ترا بدن
چہرے پہ تیرے رنگِ شفق چھوڑ جاؤں گا

اُبھن اگر بنوں گا تو سلجھنا نہ پاؤں گے
کردار اپنا اپنا ادق چھوڑ جاؤں گا

صائبِ جہاں میں ہوں گی تو میری صداقتیں
باطل کہاں رہے گا جو حق چھوڑ جاؤں گا

میں شکر گزار ہوں...

* اپنے قابلِ احترام چچا جناب محمد بدر الدین صاحب کنٹرکٹر کا جن کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے میرا یہ شعری مجموعہ آپ کے ہاتھوں تک پہنچ سکا۔

* محترم ڈاکٹر عقیل ہاشمی صاحب چیرمین اسٹڈیز شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کا جنھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود بڑی عرق ریزی سے میری کتاب کا پیش لفظ لکھا اور میری عزت افزائی کی۔

* میں سپاس گزار ہوں نئے اور منفرد لب و لہجہ کے مشہور و معروف شاعر محسن جلاگانی کا جن کی عملی اعانت نے اس شعری مجموعہ کو منظرِ عام پر لانے میں میری ہر طرح مدد فرمائی۔

* ساتھ ہی جمیل نظام آبادی "مدیر ماہنامہ گونج" نظام آباد کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے اپنے ادارہ کے زیرِ اہتمام اس مجموعہ کو طبع کروایا۔

* جناب سر آج نرملی کا اس مجموعہ کی اشاعت کی تحریک کے لئے۔

* جناب محمد یوسف رضا صاحب کا ان کی خوبصورت خوش فہمی کے لئے۔

* برادرِ مضاء الدین کا دیدہ زیب سرورق کے لئے۔

* برادرِ عبدالمقتدر کا جنہوں نے اس مجموعہ کی اشاعت میں مجھے پر خلوص مشورے دیئے۔

* میں شکر گزار ہوں۔ محترم جناب الیاس صابری صاحب، موظف

لکچرار جناب ایس ایم قادری صاحب، ACTO جناب ڈاکٹر وجے موہن

راؤ صاحب، جناب عزیز ظفر صاحب، جناب مسعود صاحب،

لکچرار PD جناب محمد منیر الدین صاحب، لکچرار جناب عبدالرحمن وارث صاحب،
 جناب کشن کھیلانی صاحب، جناب دمی احمد صاحب، جناب عبدالسلام
 صاحب، جناب صدیقی قمر صاحب، جناب فاروق انجم صاحب، جناب
 غازی صلاح الدین صاحب، جناب مسرت حسین صاحب، جناب کلیم اللہ
 قریشی صاحب، جناب شرمہ صاحب، جناب بیابانی صاحب، جناب
 مجاہد احمد سیف صاحب، جناب طالب پرویز صاحب، لکچرار جناب
 داؤد احمد صوفی صاحب، جناب عبداللطیف صاحب، جناب کلیم الدین
 صاحب، جناب رضوان احمد دانش صاحب، پاشاہ ابرار احمد صاحب،
 جناب اصغر حسین صاحب، جناب فہیم الدین صاحب، جناب ظفر صاحب،
 جناب اسد الدین صاحب، جناب عطاء الرحمن عطاء صاحب، جناب
 عارف الدین راہی صاحب، جناب جواد احمد صاحب، جناب نظام الدین
 صاحب، جناب سردار خاں صاحب، جناب صادق علی صاحب، جناب
 ایوب صاحب، جناب اقبال سعید صاحب، ۱۰۱ شارڈھم شکار صاحب
 جناب ذبیح اللہ قریشی صاحب وغیرہ اور بہت سے دوسرے احباب
 جن کی رفاقتوں اور صحبتوں میں میری فکر اور میرے شعری ذوق
 کو جلا ملی۔

* ساتھ ہی بزمِ اردو ادب کا غڈنگر کے اُن تمام اراکین اور
 اُن تمام حضرات کا جنہوں نے کسی نہ کسی طرح اس مجموعہ کی اشاعت
 میں میرا ساتھ دیا۔